جلد ۱۰۶ جنوری ۱۹۸۷ء عدد ۵

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مؤسس

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ تعالیٰ

ادارۂ ترجمان القرآن، اچھرہ، لاہور

سیرتِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

طویل انتظار کے بعد چھپ کر آگئی ہے۔

جلد اوّل ——— بُنیادی مباحث
جلد دوم ——— حضورؐ کی وِلادت سے ہجرت تک

- ضخامت جلد اوّل ——— ۷۶۴ صفحات
- ضخامت جلد دوم ——— ۷۶۴ صفحات

دونوں جلدیں نقشے اور تصاویر سے مزیّن

قیمت فی سیٹ : ۲۰۰/- روپے

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ
اُردو بازار ۔ لاہور

ترجمان القرآن لاہور

فہرست مضامین

جلد ۱۰۶ | جنوری ۱۹۸۷ء مطابق جمادی الاولیٰ ۱۴۰۷ھ | عدد ۵

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

۵۔ اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور

زرِ سالانہ تیس روپے۔ فی پرچہ ۳/- روپے

سید حسین فاروق مودودی نے ایچ فاروق ایسوسی ایٹس لمیٹڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

۱۹۸۶ء پُر اضطراب سال تھا، خصوصاً جاتے جاتے وہ ہمیں ایسے چرکے لگا گیا ہے کہ زخموں کا اندمال ہوتے ہوتے دیر لگے گی۔ خدا کرے کہ ۱۹۸۷ء کی آمد باعثِ خیر و برکت ہو اور پچھلی خرابیِ احوال کی درستی کی مؤثر صورتیں جلد پیدا ہوں اور خیر و خوبی کے نئے امکانات کے دروازے کھلیں، دین کی سربلندی ہو، شریعت کو غلبہ حاصل ہو، پاکستان کو سالمیت و استحکام ملے اور اسلام اور پاکستان اور پاکستان کے باشندوں کے معاندین کو اللہ تعالیٰ خائب و خاسر کرے، اور ہر طرح کے مصائب و خطرات کے طوفانوں سے ہمیں تحفظ دلائے۔ سلطنتِ حیات و کائنات کے فرماں روا سے ہماری التماس یہ بھی ہے کہ وہ اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کام کرنے والوں کو نورِ ایمان، شعورِ دعوت، رابطۂ عام، خدمتِ انسانیت کی سعادتوں سے نوازے اور ان کی تائید و نصرت فرمائے۔ پورے عالمِ اسلام کے لیے ہماری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ اقامتِ دین کی تحریک کو قوت عطا کرے، مظلوم مسلمانوں کو مظلومی سے نکالے اور ظلم و کفر و طاغوت کے خلاف جہاد کرنے والے مسلمانوں کو — افغانستان سے فلسطین تک اور اریٹریا سے مورولینڈ تک — فتح مند کرے۔ آمین۔

کیا ہی دردناک لمحۂ دُعا اور مرحلۂ سعیٔ فلاح و بقا ہے کہ ایک طرف ہمارا معاشرہ اندرونی طور پر بدعنوانیوں اور بہیمانہ حرکات کے نشے میں گُم ہے، دوسری طرف باہر سے آمدہ تخریب کار اور پاکستان دشمن

اور اسلام دشمن طاقتوں کے ایجنٹ اور کمانڈوز ہماری کتاب وحدت کا شیرازہ درہم برہم کرنے اور اس کے اوراق کو بکھیر کرنے کے درپے ہیں، اور دوسری طرف شمالی سرحد اور جنوبی سرحد پر عسکری جارحیت کا بھیانک خطرہ منڈلا رہا ہے۔

اندر کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر اور تعصبات کو بھڑکا کر کراچی جیسے شہرِ امن کو دیکھتے دیکھتے بیرونی اور اندرونی شرپسندوں نے مل کر خون اور آگ اور موت کے حوالے کر دیا۔

ہم ہر مصیبت زدہ فرد، ہر خاندان، ہر محلے، ہر برادری، پورے شہر کراچی، صوبہ سندھ اور سارے پاکستان کے سامنے اپنے جراحت زدہ دل سے ٹپکتے لہو کی بوندیں پیش کرتے ہیں۔ تمام خاندان ہمارے خاندان ہیں، تمام برادریاں اور تمام محلے اور تمام شہر ہمارے جہانِ ملت کے قیمتی اجزا ہیں۔

آج جب کہ تباہی کا طوفان کچھ تھما ہے، ساری قوم کو محسوس کرنا چاہیے کہ نقصان جان و مال ہی کا نہیں ہوا، بلکہ بڑا نقصان ہمارے باہمی جذبہ ہائے اخوت و محبت کا نقصان ہے، وحدت و سالمیتِ پاکستان کا نقصان ہے اور اُن اسلامی رجحانات کا نقصان ہے جو قرارداد مقاصد کی منظوری سے لے کر موجودہ شریعت بل کی منظوری تک مسلسل مصروفِ تگ و تاز ہیں۔ بڑا نقصان یہ بھی ہے کہ شدید جذباتیت نے فضا پر تسلط پا کر تحمل و تدبر کی قوتوں کو ماؤف کر دیا، جن کے ذریعے بدترین مصائب کا مقابلہ کرنا ممکن ہوتا ہے۔

ہمیں بڑا افسوس اس بات پر بھی ہے کہ جب یہ بات ہفتوں پہلے سے معلوم و مشہور تھی کہ روس اور بھارت اور اسرائیل سے تخریب کاری کے ماہر کمانڈوز اور "خاد" اور "را" کے تربیت یافتہ ایجنٹ بڑی تعداد میں ملک کے اندر داخل ہو رہے ہیں تو کیوں نہ ایسا ہوا کہ ملک کے اندر داخل ہونے والے ہر شخص کے نقل و حرکت کی پوری نگرانی کی جاتی۔ مشتبہ لوگوں کو پوری طرح زیرِ نظر رکھا جاتا، اور جہاں کسی غلط شخص سے کوئی ٹیڑھی حرکت سرزد ہوتی، اسے فوراً گرفت میں لے کر سازش کی مزید کڑیوں کو بھی معلوم کر لیا جاتا۔

یہاں "ہتھوڑا گروپ" کا دور دورہ رہا، مختلف جگہوں پر بم پھٹتے رہے، ڈاکوؤں کی سرگرمیاں غیر معمولی حد تک پُرزور ہو گئیں۔ اِن سارے حالات میں حکومت تدبر سے کام لے کر اپنے فرائض کما حقہ

ادا نہ کر سکی۔

لیکن ایک حکومت ہی کی کوتاہ کاریوں کا معاملہ ہوتا تو بھی مسئلے کا حل آسان ہوتا۔ سیاسی لیڈروں نے بھی تو معاشرے کو ظہورِ خطرات کے مختلف پیرایوں سے آگاہ نہ کیا۔ اور ان کا مقابلہ کرنے کے لیے طوفان آنے سے پہلے محلّے محلّے، گلی گلی تنظیم بندی نہ کی۔ واعظانِ مسجد نے بھی تو اپنی اپنی مسجدوں کے علاقوں میں خطرات سے انتباہ کے لیے شریف اور امن پسند شہریوں پر توجہ نہ دی۔ پولیس بھی اپنا فرض نہ ادا کر سکی، بیوروکریسی بھی کوتاہ رہی اور عام لوگ بھی اپنے روزمرہ مسائل اور مشاغل ہی میں منہمک رہے۔ تیس چالیس سال کی مہلتِ کار میں جمہوری اور اسلامی ساری قوتوں سے یہ کام نہ ہو سکا کہ وہ ہر بستی میں امن و سلامتی کے ایسے نقیبوں کے مضبوط گروپ قائم کر سکتے، جو تخریبی عصبیتوں اور گروہی نفرتوں کا جنہ سے بڑا طوفان اٹھنے پر استقامت سے توحید اور شرفِ انسانیت کے جذبوں سے سرشار ہو کر تخریبی قوتوں کے برپا کردہ فساد و عناد کی روک تھام کرتے۔

وقت پر خطرے کی پیش بندی نہ ہو سکنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ گویا سرکنڈوں یا بانسوں کے جنگل میں آگ لگ گئی۔ جذباتی ہیجانات کے ان بھڑکتے ہوئے شعلوں کو فوری طور پر خدا پرستی یا حبِ وطن، یا انسانی بہبود کا سبق کون دے سکتا تھا؟ لسانی اور علاقائی اور نسلی تعصبات کے طوفان کی امڈتی لہروں کو کمر سے پکڑ کر نہیں روکا جا سکتا۔ تعمیر و اصلاح کا کام اسی وقت ممکن ہے جب کہ تخریبیوں کے آسیب کا اثر ختم ہو جائے۔ تعصبات کے طوفان تھم جائیں۔ انتقام در انتقام کے بہیمانہ جذبات کا زور ٹوٹ جائے۔ اور وہ گم شدہ انسان نمودار ہو جائے جو بھلائی کا پیغام سنتا ہے اور آمادۂ اصلاح ہو جاتا ہے۔

خوش قسمتی سے وہ وقت نمودار ہو رہا ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ خدا کے مخلص بندے اور انسانوں کے سچے محب کچھ وقت لگا کر اور گھر گھر تک سلامتی کا پیغام پہنچا کر از سرِ نو سچائی اور نیکی اور محبت و اخوت کی پنیری لگائیں۔

اِس دوران میں خاصی آوازیں بلند ہوئیں کہ چونکہ خرابیٔ احوال کی آخری ذمہ داری حکومت ہی پر عائد ہوتی ہے، لہٰذا وہ مستعفی ہو جائے اور وہ اپنی نااہلیت کی بنا پر قیامِ امن کے لیے برآمدگیٔ اسلحہ و منشیات کی ساری کارروائی بند کر دے۔ اور جوابًا کابینہ ٹوٹ گئی، اب نئی مجلس ترتیب دی جا رہی ہے۔

حکومت اور اس کی مشینری کی پچھلی غلط کاریوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے عوام کے اعتماد میں جو تزلزل آیا ہے اور بددلی و مایوسی کے شدید رجحانات نے جس انتقامی جذبے کی شکل اختیار کر لی ہے، اُن سے ناکام سیاست باز فائدہ اُٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ پیپلز پارٹی اور ایم آر ڈی اور اسی طرح کے سے سیاسی عناصر اور سیاسی قائدین کا عوام کے مشتعل جذبات کو اچک لینا اور ان جذبات کے جھنڈے بنا کر اُٹھا لینا اُس تدبر و تحمل کے خلاف ہے جو سیاسی لیڈروں اور سیاسی تنظیموں سے متوقع ہوتا ہے۔ موجودہ حکومت میں ہزار خرابیاں ہیں اور اس سے پہلے بھی جو حکومتیں ہمارے سروں پر مسلط رہی ہیں اُن میں بھی بہت خرابیاں تھیں۔ ان میں سے جن کو تبدیل نہیں کیا جا سکا وہ بھی سامنے ہیں اور جن کو تبدیل کیا گیا اُن کے نتائج بھی ہمارے سامنے ہیں۔ اور نئی آنے والی حکومتیں بھی ویسی ہی ہوں گی۔

ایوان سے باہر رہ جانے والے سیاست دانوں کا مفہوم حکومت بدلنے سے یہ ہے کہ موجودہ ایوان ہی یکسر توڑ دیے جائیں اور نئے انتخابات منعقد ہوں۔ فرض کیجیے کہ ایوان توڑ دیے گئے۔ کیا ضمانت ہے اس بات کی کہ بعد ازاں انتخابات ضرور منعقد ہوں گے یا ہو سکیں گے؟ ایک بڑا امکان یہ ہے کہ باہر سے کوئی طاقت ایسی حرکت کر بیٹھے ...... کہ ہمیں انتخابات کے ذریعے حکومت بنانے کا موقع ہی نہ ملے۔ دوسرا بڑا امکان یہ ہے کہ ایک بار پھر مارشل لا نئے چہرے کے ساتھ نمودار ہو جائے۔ یہ ایسے ہی ہوگا جیسے ایوب خاں کا دورِ آمریت ختم ہوا تو یحییٰ خاں کا مارشل لا شروع ہو گیا۔ اور یہی صورت پاکستان توڑنے والوں کو مطلوب تھی۔ تیسرا بڑا امکان یہ ہے کہ موجودہ ایوانوں کو توڑ دینے کے ساتھ ہی تخریب پسند تشنگانِ اقتدار جن کی پشت پناہی باہر سے بھی ہو رہی ہے، یہ طوفان اُٹھا دیں کہ قومی حکومت ہونی چاہیے اور قومی حکومت کی زیادہ سے زیادہ کرسیاں ان کے قبضے میں چلی جائیں یا اُن کے ہم سفروں یا پیروکاروں کے قبضے میں۔ اور پھر حکومت اُن کے پاس جتنے عرصے کے لیے بھی گروی رہے، اس عرصے میں وہ حالات کا مزید ستیاناس کر دیں۔

چوتھا بڑا امکان یہ ہے کہ فرض کیجیے کہ انتخابات بھی ہو جاتے ہیں، نئی حکومت بھی قائم ہو جاتی ہے، اس کے باوجود بھی معاشرے کو بیوروکریسی اور انتظامیہ کے بگاڑ سے نہ بچایا جا سکے گا، جس کے احکام و اعمال بدعنوانیوں، افتراقات اور تصادمات کا بہت بڑا سبب ہیں، نیز اس معاشرے کا کیا

علاج جس کے ہر شعبے میں خیانت، بدنظمی، جہالت اور جبریت کا اودھم مچ رہا ہے۔ میرا ذاتی نقطہ نظر یہ ہے کہ اس حال میں اگر کسی متقی دوراں کو بھی وزیراعظم بنا دیا جائے اور علماء اور صوفیاء کی ایک ٹیم بھی ان کے ساتھ انتخابات میں آجائے تو بھی حالات کو پوری طرح سدھارنا ممکن نہیں۔ یہ ممکن ہے تو صرف ایک ایسے انقلاب کے بعد ممکن ہے جو موجودہ قانونِ عملداری اور نظامِ حکومت سازی اور سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ معیشت، اور غلط الفکر و کج عمل افسروں کی گرفت سے آٹھ کروڑ انسانوں کو نکال سکے۔

بہرحال ایسے نازک مرحلے پر تازہ انتخابات کا انعقاد اس بنا پر سخت خطرناک ہے کہ باہر سے ایک عالمی قوت اور دو بڑے ملکوں نے اپنے تخریب کاروں کی بہت بڑی تعداد کو معاشرے میں اتار دیا ہے جنہوں نے ہمارے ہاں کے ہر غلط الفکر شخص، ہر علیحدگی پسند عنصر اور ہر مریضِ تشنگیٔ اقتدار پر جادو کر رکھا ہے۔ ان کی اسکیم ہی یہی ہے کہ پہلے امن کو تباہ کیا جائے، ملکی وحدت اور دینی محبت کو تباہ کیا جائے، پھر آگ اور خون کے طوفان اٹھا کر ہلاکت و بربادی کے ایسے بہیمانہ مناظر مہیا کیے جائیں کہ لوگ شدید جذباتی ہیجانات کی پے در پے اٹھنے والی لہروں کا مقابلہ کرنے کے صبر و تحمل اور غور و تدبر کی صلاحیت کو کھو بیٹھیں۔ اس کے بعد جذباتی فضا میں تبدیلیٔ حکومت کا نعرہ بلند کیا جائے اور اس میں اگر کامیابی ہو جائے تو پھر وہ اگلی تدابیر عمل میں لائی جائیں جن سے پاکستان کے وجود یا اس کی سالمیت کو دھچکا لگانا آسان ہو جائے۔

آپ ذرا اس ایک سوال کا جواب ہی زیرِ غور لائیے کہ اگر موجودہ پورا ایوان رخصت ہو جائے تو آپ ذرا کاغذ قلم لے کر وہ فہرست لکھیے کہ بعدازاں آپ کی فہرست کے مطابق کون سے بہترین اشخاص کا سامنے آنا ممکن ہے جن کے ہاتھ میں اختیارات دے کر ہم بے فکر ہو سکیں کہ اب ہماری حکومت اور ہمارا نظامِ ملکی باصلاحیت ہاتھوں میں آگیا ہے۔ آپ یونہی اپنے ملک کے اچھے اچھے لوگوں کے نام نہ لکھتے جائیں بلکہ موجودہ نقشۂ احوال میں جن کا ابھر آنا ممکن ہو، صرف اُن کو سامنے رکھیں، اور یہ بھی بتائیں کہ موجودہ قانونِ عملداری اور قواعدِ دفتری اور ضوابطِ ملازمت کے ہوتے ہوئے وہ نیک لوگ کیسے کج خصلت افسروں میں سے کسی کو اس کی کرسی سے ہلا سکیں گے۔

میں سمجھتا ہوں کہ ہماری مجموعی حالت اتنی خراب ہو چکی ہے کہ جس حکومت کو بھی آپ سامنے لائیں گے

وہی باعثِ مصیبت بنے گی اور پھر آپ اس کے خلاف زور لگائیں گے کہ یہ حکومت بڑی خراب ہے۔ اِس قسم کے اندھے تجربوں میں سے قوم کو بار بار گزارنے کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ عوام جلسے جلوسوں میں تو آجاتے ہیں، مگر حکومت بدلنے کی کسی تحریک کو لے کر تا دیر صبر و استقامت کے ساتھ نہیں چل سکتے۔ ان کو روایتی "بناش اول" اور "بناش دوم" کے تجربے نے سُن کر رکھا ہے۔

پھر یہ حقیقت بھی ہر صاحبِ شعور اور حق پرست کو سمجھ لینی چاہیے کہ بگاڑ صرف اُوپر ہی اُوپر تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ ہمارا اوپر میانہ طبقہ، نچلا درمیانہ طبقہ، غریب طبقہ سب میں زہر سرایت کر چکا ہے اور ہمارے عوام بھی فرشتے نہیں ہیں۔ جسے اصلاح مطلوب ہو وہ اس حقیقت کو مان کر قدم اُٹھائے۔ موجودہ حکومت کو بدلنا کیا مشکل ہے، لیکن اصل کام کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے کہ لوگوں کے عقائد اور نظریات اور مقاصد اور میلانات اور اخلاق کو بدلا جائے۔ مصیبت زدوں کی خدمت کے لیے جہاں ضرورت پڑے، ڈیرے ڈال دیئے جائیں۔ اور غلط کار عناصر اور تباہ کن کارروائیوں کے سرچشموں کا سراغ نکالنے کے لیے خاص کوشش و کاوش کی جائے۔ اس طرح تعمیری و اصلاحی کام جس بھی جماعت یا لیڈر نے کر رکھے تھے، اُسے چاہیے کہ اُن کے ناکافی ہو جانے کے بعد کمی کو پورا کرنے کے لیے دس گنا زیادہ محنت کرے۔ اور جس نے پہلے ایسا کوئی کام کیا ہی نہیں، وہ اب اقدام کرے۔

انتخابات بھی ہوتے رہیں گے اور حکومتیں بھی بدلتی رہیں گی، اصل ضرورت اس بات کی ہے کہ آپ خود بدلیں، اپنے کارکنوں کو تیار کر دیں۔ اور عوام کو عصبیتوں کے چکر سے نکال کر اسلام یا انسانیت کا ایسا مضبوط شعور دلائیں کہ ہزار تخریب کار گلی گلی میں پھیل جانے کے باوجود ان کو جذباتی ہیجانوں کے نشے میں بہکا کر اپنی ہی تباہی کا باعث نہ بنا سکیں۔

آج حکومت کی تبدیلی تو یہ اثر ڈالے گی کہ نئے نئے اقتدار طلب اور ان کے حامی اُدھر لپکیں اور ایک دوسرے کے حریف بن کر اپنی قوتوں کو گرد و غبار میں بدلتے رہیں۔ پھر کون ہوگا جو مہاجرین یا چھٹی نسل یا دوسرے مصیبت زدہ لوگوں میں کوئی خصوصی دلچسپی و خدمت کا کام کر سکے۔ پھر تو سارا کا سارا ان کے ووٹ حاصل کرنے کے لیے ہوگا اور اگر وہ لوگوں کا چکر واقعی پہلا تو یہ نہیں کہ ہمارا، بلکہ نسلی اور علاقائی اور لسانی بنیادوں پر فسادات کے شعلے بلند ہونے کے خطرے ہوں۔ پھر ہم ایسے بحرانوں سے دوچار ہوں جن سے نکلنے کا کوئی راستہ ہی نہ رہے اور اندر اور باہر کے دشمن ہماری

گردنوں پر غلامی کا جوا رکھ دیں۔

یوں، پورا نقشۂ امکانات سامنے رکھ کر معاملات کو سوچیے۔

---

(۲)

"جو لوگ تحریکِ پاکستان میں علامہ اقبال کے خلاف سیاسی جنگ ہار گئے تھے، وہ قیامِ پاکستان کے بعد تعمیرِ پاکستان سے متعلق علامہ کے افکار کو دبانے اور انہیں شکست سے دوچار کرنے میں کامیاب ہو گئے۔"

یہ الفاظ نہ کسی سیاسی اسٹیج سے نشر ہوئے اور نہ کسی اصطلاحی "صحافی" کا فنی کارنامہ ہیں، بلکہ ارشادِ عالیہ ہے ہمارے نہایت ہی محترم دوست اور علمی فضیلت رکھنے والے ایک صاحبِ قلم کا، جنہیں ڈاکٹر محمد یوسف گوراپہ کہا جاتا ہے۔ (ملاحظہ ہو: نوائے وقت ۱۰-۹، نومبر ۱۹۸۶ء) مضمون لکھا گیا ہے اجتہاد کے مسئلے پر اور اصل مبحث کے عقدے وا کرنے کا بھاری قرض تو ناخنِ تفکر پر ہے ہی ـــــ مثلاً علامہ کا مجتہدِ مطلق ہونا وغیرہ! ـــــ لیکن مسئلہ اجتہاد کے پیڑے سے بعض عجیب عجیب کونپلیں پھوٹی ہیں ـــ ایک وہ ہے جسے اوپر پیش کیا گیا ہے۔

ابو عمار زاہد الراشدی نے اس پر گرفت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"ہم اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے کہ قانون سازی اور اجتہاد کے حق کی علمی بحث کا قیامِ پاکستان کی مخالفت سے کیا تعلق ہے، کیونکہ یہ ایک فیشن بن گیا ہے کہ جب علماء کے خلاف اور کوئی بات کہنے کے لیے نہ رہ جائے تو قیامِ پاکستان کی مخالفت کے طعنے کی آڑ میں بھڑاس نکال لی جائے۔ لیکن اس سے قطع نظر ہم ڈاکٹر گوراپہ صاحب سے یہ ضرور پوچھنا چاہیں گے کہ مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا عبدالحامد بدایونی، پیر صاحب مانکی شریف، مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی، مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا سید سلیمان ندوی رحمہم اللہ تعالیٰ اور ان کے ہزاروں رفقاء کا وہ کس زمرہ میں شمار کریں گے جنہوں نے نہ صرف تحریکِ پاکستان میں حصہ لیا، بلکہ تحریک کی

بہت سی کامیابیوں میں فیصلہ کن کردار ادا کیا ۔ اور اگر بات اسی رُخ پر کرنا ضروری ہے تو ہم یہ عرض کرنا چاہیں گے کہ قیامِ پاکستان کے بعد قرارداد پاکستان اور علماء کے ۲۲ نکات کی صورت میں تعمیرِ پاکستان کی فکری بنیادیں متعین کرنے والے بھی علماء تھے جنہوں نے قیامِ کی جدوجہد میں سرگرم حصہ لیا اور علامہ اقبال کی تحریک کو تکمیل تک پہنچایا ، اس لیے علامہ محمد اقبال کے افکار کی ترجمانی میں وہ دوسروں سے زیادہ مستند حیثیت رکھتے ہیں۔"

(نوائے وقت ۹ دسمبر ۱۹۸۶ء)

ہم ایک دوسرے پہلو سے بات کرنا چاہتے ہیں۔

علم کی خود اپنی ایک دنیا اور اپنی ایک سلطنت ہوتی ہے ۔ اس دنیا کے نظام کا درست رہنا اور اس کی سلطنت کی صحیح کارفرمائی صرف اسی صورت میں قابلِ تصور ہے کہ تعصبات اس میں راہ نہ پائیں۔ یہاں تو آپ اپنی دلیل لائیے اور دوسرے کی دلیل طلب کر کے اس پر غور کیجیے ۔ دوسرا جس چیز سے متاثر ہو وہ اسے قبول کر لے اور آپ جس چیز سے متاثر ہوں اسے آپ اخذ کر لیں ۔

لیکن دلائل سے زیادہ اہم اگر یہ سوالات ہو جائیں کہ تمہارا سیاسی مسلک کیا ہے ؟ یا تم ادب میں کن اقدار کو اہمیت دیتے ہو یا تمہارا تعلق کس نسل سے اور کس علاقے سے ہے ؟ تمہاری مادری زبان کیا ہے ؟ وغیرہ — تو پھر علم کی سلطنت درہم برہم ہو جاتی ہے ۔

علم کی سلطنت میں اہمیت ان لوگوں کو ہوتی ہے جو محنت کریں اور کام کریں ۔ اقبال کے افکار پر جو لوگ بھی زیادہ اچھی طرح کاوش کر لیں گے ، بات انہیں کی وزن پائے گی ۔ وہ کچھ کہیں گے تو سنا جائے گا ۔ اور وہ کچھ لکھیں گے تو پڑھا جائے گا ۔ یہاں کسی کا حقِ شفعہ نہیں چلتا ۔

حیرت ہے کہ ڈاکٹر گورایہ صاحب نے کس طرح یہ عجیب سا نقطہ اٹھا دیا ۔ براہ کرم اس مصرعہ پر نظر کریں

"ملکِ معنی کس حد او را نہ بست" (اقبال)

ملکِ معنی یا سلطنتِ علم کا حال بھی ہمارے ہاں ایسا ابتر ہے کہ کچھ نہ پوچھیں ۔ بیماریٔ تعصب کسی ایک صورت میں ہو یا کسی دوسری وجہ سے ، وہ اس درجہ پھیلی ہے کہ ہر گروہ نے بھی اور ہر آدمی نے بھی اپنے خیالات اور نظریات کا کھیت الگ کر رکھا ہے اور اس پر پکی باڑ لگا رکھی ہے ۔ باہر کی کوئی چیز اندر نہیں آسکتی ۔ علمی بحثوں کی سطح ہو (جس کا دائرہ ہمارے ہاں بڑا محدود ہے) یا تقریری اور صحافیانہ مرتبۂ اظہار ،

مشکل ہی سے کوئی مثال ایسی ملتی ہے کہ کسی شخص نے اپنے ارشادات پر کوئی تنقید پڑھ کر کہا ہو کہ ہاں اب مجھے اپنے طرزِ فکر کی ایک خامی کا احساس ہوا ہے یا مجھے ایک نئی حقیقت سے آگاہی ہوئی ہے ــــ کوئی فاضلِ دوراں ہو یا طفلِ مکتب ــــ میدان میں آئیں گے تو دونوں کا زعم یہی ہو گا کہ مستند ہے میرا فرمایا ہوا۔ خصوصیت کے ساتھ مناظرہ باز واعظوں کے طرز پر اب اخبارات نے یہ پختہ انداز اختیار کر لیا ہے کہ ہر ایک اپنے نظریات و مقاصد کے مطابق چیزوں کو اچھالتا ہے۔ اپنے پسندیدہ گروہوں کو کھل کر جگہ دیتا ہے اور اپنے کالم نویسوں کا جھنڈا خوب اونچا کرتا ہے اور ان کا کوئی جواب دے تو اول تو اسے شائع نہ کیا جائے گا، کیا جائے گا تو دیر کی جائے گی، پھر جب جگہ دی بھی جائے گی تو کتربیونت کا خود ایجاد کردہ لامحدود حق استعمال کیا جائے گا۔ بعض اوقات بے تکی سرخیوں سے مضمون کا پہلا اثر قاری کے لیے بدل دیا جائے گا۔ بعض اوقات اصل بات مسخ کر دی جائے گی۔ خبر کے چہرے کا مُثلہ کر دیا جائے گا اور بیان کا حصہ بدل دیا جائے گا۔ زیادہ اہمیت کی چیز کو غیر اہم اور غیر اہم بات کو اہم بنا کر پیش کرنا، لوگوں کے ذہنوں کو کسی بھی تجویز کردہ رُخ پر ڈال دینا، عوام کے ادنیٰ جذبات کو اُکسا کر فائدہ اُٹھانا یہ ایسی باتیں ہیں جو اب لازمۂ صحافت بن گئی ہیں اور صحافت کا اثر روزانہ کی خوراک بن دینے کی وجہ سے نئی نسلوں پر بڑا گہرا ہوتا ہے۔

لبرل ازم کے نعرے لگانے والے تک اتنے لبرل نہیں ہیں کہ وہ اپنی کسی رائے کو دوسروں کے بہتر دلائل کے زیرِ اثر چھوڑ دیں یا دوسروں کے کسی خیال کو کھلے دل سے شکریہ ادا کرتے ہوئے قبول کریں۔ "جمہوریت" کے بے شمار دیوانے مستانے ملیں گے، مگر گفتگو اور بحث و استدلال کے ذریعہ ایسے انداز پر تبادلۂ خیال کرنے سے عاری ہوں گے کہ دو طرفہ اچھے خیالات اور اچھی آرا کا لین دین ہو سکے۔ جس معاشرے میں علمی اور فکری دائرے میں ایسا تعصب پایا جاتا ہو اس میں اگر برادریوں اور علاقوں اور فرقوں کے نام پر تصادم ہوتے ہوں اور لوگ بات بات پر تشدد کے ہتھیار سے کے اُٹھ کھڑے ہوتے ہوں تو تعجب کیوں؟

پہلے علمی و فکری دائرے میں ضروری رواداری سیکھیے، پھر معاشرے میں وحدت بھی بڑھے گی اور جمہوریت کا عمل بھی بہتر طریق سے جاری ہو سکے گا۔

اگر کسی اقبال پر بات چھیڑنے والے سے روک کر پوچھا جائے کہ مشہور رسم الکلات کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے ... کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ یا کیا تمہارے آبا و اجداد میں سے کسی نے

انقلاب ۱۸۵۷ء میں کسی انگریز عورت اور اس کے بچوں کو طوفانِ قتل و غارت سے بچایا تھا؟ یا کیا تم نے تقسیم کے وقت ہندوستان میں رہ جانے کا فیصلہ کیا تھا؟ یا تم مولانا آزاد کی تحریریں تو نہیں پڑھتے رہے ہو؟ وغیرہ ـــــ اور پھر ان سوالات پر جب آپ کے حسبِ مراد جواب نہ ملے تو آپ فرمائیں کہ بس آپ کو علم کی سلطنت میں داخلے کا ویزا نہیں مل سکتا۔ اور یہ ویزا نہ ملے تو آپ اسلام کے کسی اصول کی توضیح نہیں کر سکتے، تاریخِ ملت کے کسی باب یا کسی شخصیت کے متعلق رائے نہیں دے سکتے۔ پاکستان کی صلاح و فلاح اور سالمیت و استحکام کو موضوع نہیں بنا سکتے، قائداعظم کے متعلق کوئی تحریر و تقریر نہیں کر سکتے۔ اور علامہ اقبال کے کلام کے بارے میں نہ اپنے تاثرات بتا سکتے ہیں اور نہ اُن کے پیغام کا تعین کر سکتے ہیں۔ ڈاکٹر نکلسن اور ڈاکٹر اینی میری شمل کے لیے مباح ہے کہ وہ اقبال کے متعلق جو چاہیں کہیں۔ مالک رام اور جگن ناتھ آزاد کو چھوٹ ہے کہ وہ اقبالؒ کو فکر و فن کے دونوں پہلوؤں سے جانچیں۔ کمیونسٹوں اور سوشلسٹوں کو حق ہے کہ وہ اقبال کے پیکرِ معنی کو توڑتے موڑتے رہیں۔ کیا ایسے تمام لوگ تحریکِ پاکستان کے جانباز تھے؟

کل آپ کہیں گے کہ جو شخص تحریکِ پاکستان کا علمبردار نہیں تھا، وہ سرے سے کسی علمی و ادبی کام کا استحقاق نہیں رکھتا۔ وہ کسی دینی اور قومی اور تہذیبی موضوع پر رائے نہیں دے سکتا، وہ کوئی تقریر نہیں کر سکتا، کوئی کتاب نہیں شائع کرا سکتا، بلکہ یہ سنئے اور بڑھئے تو جو تحریکِ پاکستان کا ساتھ نہ دے سکا ہو اُسے نہ ملکی تحفظ اور دفاع میں کوئی خدمت بجا لانے کی اجازت دی جائے، نہ تعلیم و تعلم کے دائرے میں کوئی کام کرنے دیا جائے۔ نہ سائنس اور زراعت و صنعت کے لیے دماغ اور جسم کے قوٰی کو استعمال کرنے دیا جائے، نہ کسی مصیبت زدہ کی مدد کرنے کا موقع دیا جائے، بلکہ ہو سکے تو اُسے زندہ رہنے کا حق ہی نہ دیا جائے۔

کسی ایک وقت میں کسی ایک معاملے میں اختلاف ہو جانے کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ اب بعد کے تمام مرحلوں کے لیے ہر طرح کے اتحاد و اتفاق کا دروازہ بند ہو گیا۔ "سیاسی اختلاف" اتنا بڑا جرم نہیں کہ اسے وجہِ تکفیر بنا کر انسان کی انسانیت اور مسلمان کے ایمان اور کسی صاحبِ دل کی قوتِ فہم و تفہیم سے انکار کر دیا جائے۔ ورنہ اگر تاریخ کے تمام سیاسی اختلافات مختلف گروہوں اور ان کی نسلوں کے خون میں حل شدہ سمجھے جائیں تو آج کوئی فرد بھی، نہ اسلام کے ساتھ، نہ پاکستان کے ساتھ،

نہ علم، نہ ادب اور فلسفہ کے ساتھ کوئی تعلق رکھنے کا حق دار رہ جاتا ہے۔

سوال یہ ہے ــــ اور اسے ہم پورے زور سے پیش کرنا چاہتے ہیں کہ جن لوگوں نے تحریکِ پاکستان کی عوامی رَو کا تو ساتھ دیا مگر اس کے نتیجے میں جب اقتدار یا کوئی دوسری امانت اُن کی تحویل میں آئی تو انھوں نے اسے اس طرح استعمال کیا جیسے پاکستان کا کوئی دشمن پاکستان کو تباہ کرنے یا کمزور کرنے کے لیے استعمال کرے ــــ اور جنہوں نے اسلام کے اُصولوں اور قدروں کو پامال کیا اور جنہوں نے اقبال کی خودی، اقبال کے مردِ مومن کے تصور اور اس کی مطلوبہ صفات میں سے ایک ایک کی خلاف ورزی ہی نہیں، غارت گری کی، کیا ایسے لوگ اقبال کو سمجھنے، پرکھنے اور اس کے مدعا کو واضح کرنے اور اس کے مجوزہ نظام کو نافذ العمل کر دکھانے کے لیے مستحق ہو سکتے ہیں؟

پھر ذرا پاکستان بننے کے بعد ان کے بدلتے ہوئے سیاسی رویے، ان کی جنگِ اقتدار، ان کی پارٹیاں بدلنے کے حادثات، اُن کے نت نئے پیرایوں میں جلوہ گر ہونے کے تجربات وغیرہ۔ احوال تفصیل سے زیرِ غور لاکر ارشاد فرمایئے کہ کتنے لوگ ان وباؤں سے بچ نکلے؛ اور جو لوگ سیاستِ دوں نہاد کی ہڑک سے متاثر ہو گئے، کیا اُن کو اب بھی آپ محبِ پاکستان اور محسنِ پاکستان ہی سمجھتے رہیں گے؟ اگر نہیں تو بتایئے کہ پھر اقبال کی تشریح و توضیح اور اسلام کی صحیح تعبیر کرنے والی قوت کون سی رہ جائے گی؟

قابلِ تحقیق مسئلہ تو یہ ہے کہ کیا اقبال کا مقصود صرف سرزمینِ پاکستان کا علیحدہ وجود تھا یا ان کے سامنے اصل نصب العین احیائے اسلام کا تھا؟ آج کل بعض لوگ جو پاکستان کو بہت زیادہ "اپنا" قرار دے رہے ہیں۔ وہ اقبال کو "سیکولر اسلام" کا ایک پیکر بنا کر سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔ اور ہر ایسی آواز کو بند کرنا چاہتے ہیں جو اقبال کو ان کے بنائے ہوئے "سیکولر اسلام" کے پنجرے سے نکالے۔

مگر بے شمار باضمیر لوگ ایسے ہیں جو اقبال کا یہ حالِ زار نہیں دیکھ سکتے۔

حکمتِ سیّد مودودیؒ

اسلامی قومیت

(ادارہ)

"مسلمانوں میں جب کبھی وطن یا لسانی تعصبات پیدا ہوئے تو مسلمان نے مسلمان کا گلا ضرور کاٹا۔"

اللہ اور اس کے رسولؐ نے جاہلیت کی اُن تمام محدود، مادّی، حسّی اور وہمی بنیادوں کو جن پر دنیا میں مختلف قومیتوں کی عمارتیں قائم کی گئی تھیں، ڈھا دیا۔ رنگ، نسل، وطن، زبان، معیشت اور سیاست کی غیر عقلی تفریقوں کو جن کی بنا پر انسان نے اپنی جہالت و نادانی کی وجہ سے انسانیت کو تقسیم کر رکھا تھا، مٹا دیا۔ اور انسانیت کے مادے میں تمام انسانوں کو برابر اور ایک دوسرے کا ہم مرتبہ قرار دے دیا۔

اس تخریب کے ساتھ اس نے خالص عقلی بنیادوں پر ایک نئی قومیت تعمیر کی۔ اس قومیت کی بنا بھی امتیاز پر تھی، مگر مادی اور عرضی امتیاز پر نہیں، بلکہ روحانی اور جوہری امتیاز پر۔ اُس نے انسان کے سامنے ایک فطری صداقت پیش کی جس کا نام "اسلام" ہے۔ اُس نے خدا کی بندگی و اطاعت، نفس کی طہارت و پاکیزگی، عمل کی نیکی اور پرہیزگاری کی طرف ساری نوعِ بشری کو دعوت دی۔ پھر کہہ دیا کہ جو اس دعوت کو قبول کرے وہ ایک قوم سے ہے اور جو اس کو رد کر دے وہ دوسری قوم سے ہے۔ ایک قوم ایمان اور اسلام کی ہے اور اس کے سب افراد ایک اُمت ہیں۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا۔ اور ایک قوم کفر اور گمراہی کی ہے اور اس کے متبعین اپنے اختلافات کے باوجود ایک گروہ ہیں۔ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ۔

ان دونوں قوموں کے درمیان بنائے امتیاز، نسل اور نسب نہیں، اعتقاد اور عمل ہے۔ ہو سکتا

ہے کہ ایک باپ کے دو بیٹے اسلام اور کفر کی تفریق میں جُدا جُدا ہو جائیں، اور دو بالکل اجنبی آدمی اسلام میں متحد ہونے کی وجہ سے ایک قومیت میں مشترک ہوں۔

وطن کا اختلاف بھی ان دونوں قوموں کے درمیان وجہِ امتیاز نہیں ہے۔ یہاں امتیاز حق اور باطل کی بنیاد پر ہے۔ جس کا کوئی وطن نہیں۔ ممکن ہے کہ ایک شہر، ایک محلہ، ایک گھر کے دو آدمیوں کی قومیتیں اسلام و کفر کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہو جائیں اور ایک حبشی رشتۂ اسلام میں مشترک ہونے کی وجہ سے ایک مراقشی کا قومی بھائی بن جائے۔

رنگ کا اختلاف بھی یہاں قومی تفریق کا سبب نہیں ہے۔ یہاں اعتبار چہرے کے رنگ کا نہیں، اللہ کے رنگ کا ہے اور وہی بہترین رنگ ہے۔ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ہو سکتا ہے کہ اسلام کے اعتبار سے ایک گورے اور ایک کالے کی ایک قوم ہو اور کفر کے اعتبار سے دو گوروں کی دو الگ قومیتیں ہوں۔

زبان کا امتیاز بھی اسلام اور کفر میں وجہِ اختلاف نہیں ہے۔ یہاں منہ کی زبان نہیں محض دل کی زبان کا اعتبار ہے جو ساری دنیا میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اس کے اعتبار سے عربی اور افریقی کی ایک زبان ہو سکتی ہے، اور دو عربوں کی زبانیں مختلف ہو سکتی ہیں۔

معاشی اور سیاسی نظاموں کا اختلاف بھی اسلام اور کفر کے اختلاف میں بے اصل ہے۔ یہاں جھگڑا دولتِ زر کا نہیں دولتِ ایمان کا ہے، انسانی سلطنت کا نہیں خدا کی بادشاہت کا ہے۔ جو لوگ حکومتِ الٰہی کے وفادار ہیں، اور جو خدا کے ہاتھ اپنی جانیں فروخت کر چکے ہیں وہ سب ایک قوم ہیں خواہ ہندستان میں ہوں یا ترکستان میں۔ اور جو خدا کی حکومت سے باغی ہیں اور شیطان سے جان و مال کا سودا کر چکے ہیں وہ ایک دوسری قوم ہیں۔ ہم کو اس سے کچھ بحث نہیں کہ وہ کس سلطنت کی رعایا ہیں اور کس معاشی نظام سے تعلق رکھتے ہیں۔

اِس طرح اسلام نے قومیت کا جو دائرہ کھینچا ہے وہ کوئی حسّی اور مادی دائرہ نہیں، بلکہ ایک خالص عقلی دائرہ ہے۔ ایک گھر کے دو آدمی اس دائرے سے جُدا ہو سکتے ہیں اور مشرق و مغرب کا بُعد رکھنے والے دو آدمی اس میں داخل ہو سکتے ہیں۔

سرِ عشق از عالمِ ارحام نیست — او ز سام و حام و روم و شام نیست
کوکبِ بے شرق و غرب و بے غروب — در مدارش نے شمال و نے جنوب

اِس دائرہ کا محیط ایک کلمہ ہے۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ اسی کلمہ پر دوستی بھی ہے اور اسی پر دشمنی بھی۔ اسی کا اقرار جمع کرتا ہے اور اسی کا انکار جدا کر دیتا ہے۔ جن کو اس نے جدا کر دیا ہے اُن کو نہ خون کا رشتہ جمع کرسکتا ہے، نہ خاک کا، نہ زبان کا، نہ رنگ کا، نہ روٹی کا، نہ حکومت کا، اور جن کو اس نے جمع کر دیا ہے انہیں کوئی چیز جدا نہیں کرسکتی۔ کسی دریا، کسی پہاڑ، کسی سمندر، کسی زبان، کسی نسل، کسی رنگ، اور کسی سرزمین کے قضیے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اسلام کے دائرے میں امتیازی خطوط کھینچ کر مسلمان اور مسلمان کے درمیان فرق کرے۔ ہر مسلمان خواہ وہ چین کا باشندہ ہو یا مراکش کا، گورا ہو یا کالا، ہندی بولتا ہو یا عربی، سامی ہو یا آرین، ایک حکومت کی رعیت ہو یا دوسری حکومت کی، مسلمان قوم کا فرد ہے، اسلامی سوسائٹی کا رکن ہے، اسلامی اسٹیٹ کا شہری ہے، اسلامی فوج کا سپاہی ہے، اسلامی قانون کی حفاظت کا مستحق ہے۔ شریعت اسلامیہ میں کوئی ایک دفعہ بھی ایسی نہیں ہے جو عبادات، معاملات، معاشرت، سیاست، معیشت، غرض زندگی کے کسی شعبہ میں جنسیت یا زبان یا وطنیت کے لحاظ سے اس کو دوسرے مسلمانوں کے مقابلے میں کم تر یا بیش تر حقوق دیتی ہو۔

اسلامی قومیت کی تعمیر میں نسل و وطن اور زبان و رنگ کا قطعاً کوئی حصہ نہیں ہے۔ اس عمارت کو جس معمار نے بنایا ہے اس کا تخیل ساری دنیا سے نرالا تھا۔ اُس نے تمام عالمِ انسانی کے موادِ خام پر نظر ڈالی۔ جہاں جہاں سے اُس کو اچھا اور مضبوط مسالہ ملا اُس کو چھانٹ لیا۔ ایمان و عملِ صالح کے پختہ چونے سے ان متفرق اجزا کو پیوستہ کر دیا۔ اور ایک عالمگیر قومیت کا قصر تعمیر کیا، جو سارے کرۂ ارضی پر چھایا ہوا ہے۔ اس عظیم الشان عمارت کا قیام و دوام منحصر ہے اس پر کہ اس کے تمام مختلف الاصل، مختلف الشکل، مختلف المقام اجزا اپنی جدا جدا اصلیتوں کو بھول کر صرف ایک اصل کو یاد رکھیں۔ اپنے جُدا جدا رنگ چھوڑ کر ایک رنگ میں رنگ جائیں، اپنے الگ مقاموں سے قطع نظر کرکے ایک مخرجِ صدق سے نکلیں اور ایک مدخلِ صدق میں داخل ہو جائیں۔ یہی وحدتِ ملی اس بنیانِ مرصوص کی جان ہے۔ اگر یہ وحدت ٹوٹ جائے، اگر اجزائے ملت میں اپنی اصلوں اور

نسلوں کے جدا جدا ہونے، اپنے وطن اور مقام کے مختلف ہونے، اپنے رنگ و شکل کے متنوع ہونے اور اپنی اغراضِ دُنیوی کے متضاد ہونے کا احساس پیدا ہو جائے تو اس عمارت کی دیواریں پھٹ جائیں گی، اس کی بنیادیں ہل جائیں گی۔ اور اس کے تمام اجزا پارہ پارہ ہو جائیں گے۔ جس طرح ایک سلطنت میں کئی سلطنتیں نہیں بن سکتیں، اسی طرح ایک قومیت میں کئی قومیتیں بھی نہیں بن سکتیں۔ اسلامی قومیت کے ساتھ نسلی، وطنی، لسانی، اور لونی قومیتوں کا جمع ہونا قطعاً محال ہے۔

اسلام کی پوری تاریخ اُٹھا کر دیکھ جائیے، جہاں کوئی طاقت ور سلطنت آپ کو نظر آئے گی اُس کی بنیاد میں بلا امتیاز آپ کو جنسیت، مختلف نسلوں اور مختلف قوموں کا خون ملے گا۔ ان کے مدبر، ان کے سپہ سالار، ان کے اہلِ قلم، ان کے اہلِ سیف سب کے سب مختلف الاجناس پائے جائیں گے۔ آپ عراقی کو افریقہ میں، شامی کو ایران میں، افغانی کو ہندوستان میں، مسلمان حکومتوں کی اُسی جانبازی، دیانت، صداقت اور امانت کے ساتھ خدمت کرتے ہوئے دیکھیں گے جس سے وہ خود اپنے وطن کی خدمت کرتا ہے مسلمان سلطنتیں کبھی اپنے مردانِ کار کی فراہمی میں کسی ایک ملک یا ایک نسل کے وسائل پر منحصر نہیں رہیں، ہر جگہ سے قابل دماغ اور کارپرداز ممتحن ان کے لیے جمع ہوئے اور انہوں نے ہر دارالاسلام کو اپنا وطن اور گھر سمجھا۔ مگر جب نفسانیت، خود غرضی اور عصبیت کا فتنہ اُٹھا، اور مسلمانوں میں مرز بوم اور رنگ و نسل کے امتیازات نے راہ پائی، تو وہ ایک دوسرے سے بغض و حسد کرنے لگے، دھڑے بندیوں اور سازشوں کا دور دورہ ہوا، جو قوتیں دشمنوں کے خلاف صرف ہوتی تھیں وہ آپس میں ایک دوسرے کے خلاف صرف ہونے لگیں، مسلمانوں میں خانہ جنگی برپا ہوئی اور بڑی بڑی مسلمان طاقتیں صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں۔

(اقتباسات ماخوذ از "مسئلہ قومیت" تالیف مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی۔ اشاعت دوم
صفحہ ۲۱ تا ۲۴، ۳۳ تا ۳۶)

شریعت بل اور اس کے ناقدین

جناب محمد نواز صاحب - رحیم یار خان

(۲)

شریعت بل پر ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ اس سے فرقہ واریت کو ہوا ملے گی - حالانکہ صورت حال اس کے برعکس ہے - فرقہ واریت کا سبب دراصل ہے ہی یہ کہ شریعت بالادست نہیں اور معاشرہ شرعی لحاظ سے جمود اور انحطاط کا شکار ہے - جب مسلمانوں کی اجتماعی زندگی پر شریعت کی بالفعل بالادستی تسلیم کر لی جائے گی تو اس سے مسلمانوں میں زندگی کی نئی لہر اس طرح پیدا ہو جائے گی جس طرح مردہ اور بے جان تاروں میں بجلی کی رو کے دوڑنے سے توانائی پیدا ہوتی ہے - معاشرہ میں پایا جانے والا فکری اور علمی جمود بتدریج ختم ہو جائے گا - اور معاشرہ میں ایک نئی نظریاتی، تہذیبی اور ثقافتی حرکت پورے زور کے ساتھ پیدا ہو گی - اس حرکت سے فرقہ واریت کا وجود بالآخر تحلیل ہو جائے گا -

فرقہ واریت دراصل ایسے دور کی پیداوار ہے - جب شریعت پر یزیدیت، ملوکیت اور آمریت نے بالادستی حاصل کر لی تھی - شریعت کا نام ملوک اور سلاطین کی وجہ سے زندہ نہیں بلکہ ان مبارک ہستیوں کی وجہ سے زندہ ہے جنہوں نے ملوک و سلاطین کی مخالفت کی اور ہر دور کی یزیدیت اور آمریت کے خلاف علم جہاد بلند کیا - خود برصغیر کی تاریخ اس پر گواہ ہے کہ جن لوگوں نے استعمار کا مقابلہ کیا - کالے پانی کی سزائیں برداشت کیں - ۱۸۵۷ء میں جہادِ آزادی کی کمان کی - بنگال میں انگریزوں کے خلاف جنگ کی اور جنہوں نے پورے ایک سو سال تک کبھی تحریک مجاہدین کی شکل میں اور کبھی تحریک خلافت کے انداز میں جہاد اور قربانی کی درخشاں روایات قائم کیں، وہ سب حاملینِ شریعت تھے - لوگ آج جس طاغوتی تہذیب کو دانتوں سے پکڑ کر اس کی پوجا اور پرستش کو اپنا دانشورانہ کمال سمجھتے ہیں اسے

بوریہ نشین اور حجرہ مکین اہلِ حق نے پاؤں کی ٹھوکر سے رد کر دیا تھا۔

کیا کوئی ایسا محقق ہے جو تاریخ کے کشکول سے کسی ایسے حق پرست عالمِ دین کی نشان دہی کر سکے جس کے وجود سے یزیدیت اور آمریت کو تقویت ملی ہو۔ یا اُس نے جھوٹے اقتدار کے ساتھ سازباز کر کے مغربی فاشزم قائم کی ہو۔ ابوالفضل فیضی اور مخدوم الملک جیسے نمائشی علماء ہر دور میں موجود رہے ہیں۔ اور آج بھی دانشورانہ رنگ و روپ میں طاغوتی نظام کی خدمت اور اس کے تحفظ کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ اور جنہیں خدا اور اس کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت سے کد ہے۔ مگر رومن لا پر استوار ہونے والے باطل نظام قانون سے بے حد پیار ہے۔

شریعت بل پر تمام مسلمہ دینی فرقے بڑی حد تک متحد ہیں۔ اور مسلمہ دستوری اور قانونی نکات پر پاکستان کے تمام مکاتیب فکر کا اجماع ہے۔ اور جوں جوں شریعت کی بالادستی کی تحریک آگے بڑھتی جائے گی اسی نسبت سے اہلِ حق کا اتحاد وسیع تر ہوتا چلا جائے گا۔

شریعت بل کے ناقدین کو تمام دینی فرقوں کا اتحاد گوارا ہی نہیں۔ اگر فرقہ واریت کو ہوا ملے اور انتشار اور افتراق کی فضا میں اضافہ ہو تو یہ بات انہیں بیحد محبوب ہے۔ جس بات پر وہ کڑھ رہے ہیں اور کئی سالوں سے جس بات کے لیے وہ کوشاں ہیں وہ یہ نہیں کہ مسلمان فرقوں میں اتحاد پیدا ہو بلکہ یہ ہے کہ ان میں باہمی جنگ و جدال کی فضا پیدا ہو۔ یہ دانشور دراصل "بی جمالو" کا کردار ادا کر کے مختلف فرقوں کو باہم لڑانا چاہتے ہیں۔ پچھلے چند برس میں حکمران طاقت اور قلم دان طاقت دونوں نے علماء میں افتراق پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کی۔

شریعت بل پر ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ اس سے ۱۹۷۳ء کا دستور ختم ہو جائے گا۔ شریعت کی بالادستی سے دستور میں کئی ترامیم کرنا پڑیں گی۔ اِس سلسلے میں ایک اہم سوال جو ہمارے دین و ایمان سے تعلق رکھتا ہے، یہ ہے کہ حقیقتاً بالادستی کسے حاصل ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کو جو ہمارا حقیقی حاکم ہے یا پارلیمنٹ کو۔ اگر ہم واقعی اللہ تعالیٰ کو قانون دہندہ مان کر اس کے قانون کو بالاتر تسلیم کرتے ہیں۔ تو پھر دستور، پارلیمنٹ اور حکومت اور اس کے جملہ مناصب کو شریعت کے تابع ہونا پڑے گا۔ جو شخص انسانی قوانین، مُلکی اداروں اور حکومت پر شریعت کی بالاتری کا عقیدہ نہیں رکھتا اُسے

پہلے اپنے دین و ایمان کی خیر منانی چاہیے اور پھر اپنی دانشوری کے کمالات کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔

یہ بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ شریعت بل کے پاس ہو جانے کے بعد آئین میں ترمیم کرنا پڑے گی۔ ضابطہ اور معروف طریقِ کار کے مطابق اگر آئین میں ترمیم کی جائے تو اس میں اعتراض کا کونسا پہلو ہے۔ اعتراض اُس وقت پیدا ہوتا ہے جب آئین میں ترمیم کے لیے معروف طریقِ کار اختیار نہ کیا جائے اور حکومتی جبر اور جبر سے اس میں زبردستی ترمیم کی جائے۔ جب شریعت بل پاس ہو جائے گا اور شریعت کی بالادستی کو آئینی طور پر تسلیم کر لیا جائے گا تو پھر کوئی شخص اس میں من مانی ترامیم کا "جھٹکا" نہ کر سکے گا۔

شریعت کی بالادستی قائم کرنے کی راہ آسان نہیں۔ اس میں ابھی بہت سی رکاوٹیں حائل ہیں۔ بیوروکریسی، غیر ملکی استعماری طاقتیں اور ہمسایہ ملکوں کی سازشیں اس راہ کی سنگ گراں ہیں بعض سیاسی جماعتوں کا وجود جن کے سایہ میں "توڑ دو توڑ دو پاکستان توڑ دو" کے نعرے بلند ہو رہے ہیں، پاکستان اور اس کے نظریے کے لیے چیلنج کا درجہ رکھتی ہیں۔ دہشت گردی اور لاقانونیت نے ملکی سالمیت کے لیے خطرے کا الارم بجا دیا ہے۔ قادیانیت، سوشلزم اور سیکولرازم کے پردے میں سازشوں کے جال بچھا رہے ہیں۔ اور پاکستان کی سالمیت اور اس کے نظریاتی استحکام پر ضرب لگانے کی تیاریاں کی جا رہی ہیں۔

اِن حالات میں ان لوگوں پر جو اخلاص کے ساتھ شریعت کی بالادستی کے لیے کوشش کر رہے ہیں، یہ ذمہ داری عاید ہوتی ہے کہ وہ اس تحریک کو آگے بڑھانے کے لیے حکیمانہ منصوبہ بندی کریں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ:

۱۔ پاکستان کی تمام دینی جماعتیں اور دینی عناصر شریعت کی بالادستی قائم کرنے کے مقصد کے لیے ایک مشترکہ پلیٹ فارم پر جمع ہوں۔

۲۔ پاکستان میں ہر سطح پر دینی اور نظریاتی قیادت کی بے حد کمی پائی جاتی ہے۔ ہر دینی جماعت کا فرض ہے کہ وہ اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کرے اور ہر سطح پر اسی کے مناسب منصوبہ بندی کرے۔

(باقی بر صفحہ ۴۶)

قرآن حکیم اور محروم طبقات

جناب میر محمد حسین صاحب ایم اے ۔ فاضل دیوبند

تمہیدی کلمات میں نے اپنی گفتگو کے لیے جو موضوع منتخب کیا ہے وہ ہے "قرآنِ حکیم اور محروم طبقات"۔ ممکن ہے یہ پڑھتے ہی معاً آپ کو یہ خیال آئے کہ میں قرآنِ حکیم کے حوالے سے آپ کے سامنے اسلام کا اقتصادی نظام پیش کرنے چلا ہوں ۔ ہر گز نہیں ۔ بلکہ قرآنِ حکیم کے مطالعہ کے دوران ان طبقات کے بارے میں اس کا جو رویہ میرے سامنے آیا اور جس نے میرے ذہن پہ ایک گہرا نقش چھوڑا، میں نے چاہا کہ اپنا وہ تاثر آپ کے سامنے رکھ دوں ۔ قرآن مجید کے مطابق ان محروم طبقات کی محرومیوں کا دائرہ بہت وسیع ہے ، وہ سیاسی بھی ہیں اور تہذیبی بھی ، اقتصادی بھی ہیں اور سماجی بھی۔

قرآن حکیم کے اس رویّہ کی تصویر کشی سے میرا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ اسے اُن سے کس قدر ہمدردی ہے ۔ اور وہ کس طرح ان کو اُوپر اُٹھانا چاہتا ہے۔ سماجی یا اقتصادی لحاظ سے پسے ہوئے عوام اب اپنی موجودہ حالت پہ قانع رہنے کے لیے تیار نہیں ۔ ان کے تیور بدل چکے ہیں ۔ اور وہ ہر ایسے سماج یا اقتصادی نظام سے جس سے اُن کی اس زبوں حالی کو استحکام اور دوام ملتا ہو، نہ صرف ٹکرا جانے پر آمادہ ہیں بلکہ اپنی سابقہ محرومیوں کا بدلہ بھی چکانا چاہتے ہیں ۔ اقتصاد و معیشت کے اس دور میں اس غیر معمولی اہمیت کی وجہ سے اُٹھنے والے طوفانوں میں ہمارا فرض ہے کہ ہم قرآنِ حکیم کی روشنی میں اپنی راہ متعین کریں اور دیکھیں کہ اس کا جھکاؤ کس طرف ہے تاکہ اسلام کی کشتی ان طوفانوں کے تھپیڑوں سے محفوظ رہ کر دکھی انسانیت کو امن و سکون اور خوش حالی و رفاہیت کے ساحلِ مُراد تک پہنچا سکے ۔

میرے تتبع کے مطابق قرآنِ حکیم میں چار محروم طبقات کا ذکر ملتا ہے۔ مشاغلِ زندگی کے وسیع ہو جانے کی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ اب محروم طبقات کا شمار بڑھ گیا ہو۔ لیکن اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے تو نام کی تبدیلیوں سے قطع نظر سب کو ان چار کے ذیل میں لایا جا سکتا ہے اور ان کے متعلق قرآنِ حکیم کی دی ہوئی روشنی سے ہم دَور دُور تک اُجالا کر سکتے ہیں۔ قرآنِ حکیم کا وہ فرمان جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کا مقصد و مدعا واضح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تھا، ہماری ہمہ جہت رہنمائی کے لیے بس کرتا ہے۔ ہر ذوقِ سلیم رکھنے والا شخص سمجھ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد صرف بنی اسرائیل ہی کے لیے نہ تھا، بلکہ ہر دَور کے پسے ہوئے طبقات کے بارے میں اس کو یہی مطلوب و مقصود ہے۔ فرمانِ خداوندی یہ ہے:

وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ ط

یعنی ہم چاہتے ہیں کہ جن لوگوں کو ہماری زمین پر کمزور بنا دیا گیا ہے، ان پر احسان کریں، انھیں امام و پیشوا بنائیں، انھیں ملک کے وارث بنائیں اور انھیں زمین میں اقتدار بخشیں۔

آیت کریمہ میں لفظ اُسْتُضْعِفُوْا بصیغہ مجہول قابلِ غور ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسے سماجی، سیاسی اور اقتصادی نظام رائج کیے گئے کہ کچھ لوگ کمزور، پس ماندہ اور زیردست بن کر رہ گئے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اپنے پیغمبر کے ذریعے اس کی جگہ ایک ایسا نظام قائم کریں کہ کمزور طاقت ور ہوں، انھیں ملک کے وسائل معیشت اور اقتدار میں حصہ ملے۔

آیئے! اب ہم قرآن حکیم کے اندر مذکور محروم طبقات کو ایک ایک کر کے لیتے ہیں اور معلوم کرتے ہیں کہ اس نے ان کے بارے میں کیا روش اختیار کی ہے۔

قرآن حکیم اور محروم طبقات

عورت | روزِ ازل ہی سے مرد ایسی قوتیں اور صلاحیتیں لے کر پیدا ہوا ہے کہ وہ کشمکش حیات میں جرأت مندانہ حصہ لے سکتا ہے اور حوادث و مشکلاتِ زمانہ کا مقابلہ زیادہ حوصلے کے ساتھ کر سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ کارزارِ حیات میں ہمیشہ اسی کا کردار نمایاں رہا ہے جب کہ عورت کمزور اور منفعلانہ فطرت پر پیدا کی گئی ہے۔ اس لیے جدوجہدِ زندگی میں وہ زیادہ تر پسِ پردہ ہی رہی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مرد کے اندر احساسِ برتری نے سر اٹھایا اور وہ اپنے مقابلے میں عورت کو حقیر اور کمتر تصور کرنے لگا۔ یہ احساس آہستہ آہستہ ترقی کرتا چلا گیا اور نوبت بایں جا رسید کہ معاشرے میں عورت بالکل ہی بے وقار ہو کر رہ گئی۔ وہ خود بھی احساسِ کہتری میں مبتلا ہو کر رہ گئی۔ اس کی یہ تحقیر اس قدر جڑ پکڑ گئی کہ رسم و رواج سے آگے بڑھ کر اس نے فلسفے میں نظریے اور مذہب میں عقیدے کی شکل اختیار کر لی۔ چنانچہ کوئی تو اسے سرے سے موجود ہی ماننے کے لیے تیار نہ ہوا۔ کسی نے اسے مرد کے جی بہلاوے کا صرف ایک کھلونا قرار دیا۔ کچھ نے اسے ناگزیر بُرائی سمجھ کر بادلِ ناخواستہ قبول کیا۔ اور کچھ نے اسے ابن آدم کی تمام بدبختیوں کا ماخذ و منبع قرار دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اسے مرد کی زندگی میں اس کی داسی بن کر رہنے اور اس کی موت پر اس کے ساتھ زندہ جل کر مر جانے کا حکم دیا۔ اِن حالات میں جب کہ اس کے نفسِ وجود ہی سے انکار کیا جا رہا ہے، کیسے ممکن تھا کہ اس کا ایک مستقل تشخص مانا جاتا یا اس کے کچھ حقوق تسلیم کیے جاتے۔ عورت کے ساتھ یہ سلوک، اس وقت کے نام نہاد روشن خیال، تہذیب و تمدن اور علم و دانش کے مرکز ممالک مثلاً چین، روم، ہندوستان اور یونان وغیرہ میں روا رکھا جا رہا تھا تو عربوں کی اُجڈ اور جاہل قوم سے اس بارے میں کسی بہتر سلوک کی کیا توقع کی جا سکتی تھی۔ ان کے معاشرے میں عورت کی جو درگت بن رہی تھی وہ تاریخ دان حضرات سے مخفی نہیں ہے۔ اس کا درجہ معاشرتی لحاظ سے بالکل پست تھا۔ اس کی پیدائش خاندان کے لیے باعثِ ننگ تصور کی جاتی تھی۔ قرآن مجید کہتا ہے۔ واذا بشر احدھم بما ضرب للرحمٰن مثلاً ظل وجھہ مسوداً وھو کظیم۔ سفاکی کی حد یہ ہے کہ اس عار سے بچنے کے لیے انھیں اپنے ہاتھوں زندہ، گڑھوں میں دفن کر دیا جاتا تھا۔ قرآن مجید شہادت دیتا ہے:۔ واذا الموؤدۃ سئلت بای ذنب قُتلت۔

عورتوں کے ساتھ وابستگی کے، نکاح کے معروف طریقے کے علاوہ اور بھی کئی واہیات قسم کے طریقے رائج تھے۔ نکاح میں مردوں پر تعداد کی کوئی پابندی نہ تھی۔ ایک مرد جس تعداد میں چاہتا تھا عورتیں اُٹھا کر گھر میں ڈال لیتا تھا۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ باپ کی منکوحات کا پورے کا پورا گلہ سوائے حقیقی ماں کے بیٹوں کی طرف اسی طرح منتقل ہو جاتا تھا جس طرح اُس کی دوسری جائداد،

ڈھور ڈنگر وغیرہ۔ وہ جب چاہتا کسی عورت کو کچے دھاگے سے باندھ کر اپنے حرم میں ڈال لیتا اور جب چاہتا اس دھاگے کو توڑ کر اسے پرے پھینک دیتا۔ عورت سے نہ جوڑتے وقت کوئی رائے لی جاتی نہ توڑتے وقت۔ رشتۂ ازدواج میں منسلک کر لینے کے بعد بھی اسے طرح طرح کے کچوکے دیے جاتے۔ نکاح اور طلاق، پھر نکاح اور پھر طلاق کی صورت میں اسے بار بار جھٹکے دیئے جاتے۔ اس کے لیے مقرر کیے ہوئے مہر کو واپس لینے کے لیے طرح طرح کے حربے استعمال کیے جاتے اور بعض دفعہ تو عورت کو کچھ پیسے دے کر گلو خلاصی کرانی پڑتی۔ ایسے میں اس بات کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ عورت کا سماج پر بھی کوئی حق ہو اور معاملاتِ زندگی میں اس کی بھی کوئی آزادانہ رائے ہو۔

ظلم و ستم سے تپتے ہوئے اس انسانی صحرا میں عورت حسنِ سلوک اور شریفانہ برتاؤ کی پیاس سے تڑپ رہی تھی کہ قرآن حکیم اس کے لیے ابرِ رحمت بن کر برسا اور اس طرح برسا کہ اس کے برسائے ہوئے آبِ حیات سے نہ صرف اس کی پیاس بجھ گئی بلکہ اس میں جانِ تازہ آگئی۔ قرآن حکیم نے مردوں کو مخاطب کرتے ہوئے اعلان کیا کہ سنو! هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ط انسانی زندگی کی گاڑی کو رواں دواں رکھنے کے لیے عورت کا وجود تمھارے لیے اتنا ہی ضروری ہے جتنا تمھارا اس کے لیے۔ اور پھر اُن کے حقوق کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ولھن مثل الذی علیھن کہ بے شک عورت پر کچھ فرائض بھی ہیں لیکن اس کے حقوق بھی اتنے ہی ہیں جو تم پر فرض ہیں۔ یہ معاملہ یک طرفہ نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں کا قوام بنایا ہے۔ اور اس طرح انہیں ایک حد تک فوقیت حاصل ہے۔ مگر قوام وہ ہوتا ہے جو کسی کے حقوق کا محافظ و نگران ہو جو انہیں قائم و بحال رکھے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو وہ غاصب و ظالم ہے، قوام نہیں۔ پھر مردوں کو حکم دیا گیا کہ۔ **عاشروھن بالمعروف** کہ عورتوں کے ساتھ بھلے لوگوں کی طرح زندگی گذارو۔ اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ **خیرکم خیرکم لاھلہ وانا خیرکم لاھلی**۔

قرآنِ حکیم میں عائلی زندگی سے متعلق جتنی بھی ہدایات دی گئی ہیں، سب مردوں کو دی گئی ہیں کیونکہ زیادتی انہی کی طرف سے ہو رہی تھی۔ ان آیات کو غور سے پڑھا جائے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ قرآن حکیم کس طرح عورتوں کے چھنے ہوئے حقوق انہیں واپس دلا رہا ہے۔ اس سلسلہ میں اولین معاملہ

نکاح کا ہے۔ چنانچہ اس بارے میں بھی ان سے رائے لینے کا حکم دیا گیا۔ ایک مرد سے طلاق ہو جانے کے بعد عورت کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا ۔۔۔ نہ کہ مردوں کی مرضی پر ۔۔۔ کہ وہ جہاں چاہے پہلے خاوند سے دوبارہ یا کہیں اور جائز طریقے سے شادی کرلے۔ مردوں کو رد کرنے کا کوئی حق نہیں۔ قرآنِ حکیم کا ارشاد ہے:۔

۱۔ اذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن فلا تعضلوهن ان ينكحن ازواجهن اذا تراضوا بينهم

۲۔..... فاذا بلغن اجلهن فلا جناح عليكم فيما فعلن في انفسهن بالمعروف۔

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

لا تنكح الايم حتى تستامر ولا تنكح البكر حتى تستاذن۔ کہ عورت بیوہ ہو یا ناکتخدا، اس سے اجازت و مشورہ کیے بغیر اس کا نکاح ہرگز نہ کیا جائے۔ مہر کو ان کا حق قرار دیا۔ اور اسے حیلے بہانوں سے واپس لینے کو مروت کے خلاف اور ایک قسم کی خست و ناءت قرار دیا۔ چنانچہ فرمایا: لا يحل لكم ان تاخذوا مما آتيتموهن شيئاً۔ مردوں کو یہ تاکید بھی کی گئی کہ اگر انہیں اپنے ساتھ رکھنا ہے تو شریفانہ طریقے سے رکھو اور اگر علیحدہ کرنا بھی ہے تو نیکی اور احسان کے ساتھ انہیں رخصت کرو، انہیں درمیان میں اَدھر لٹکتا ہوا نہ چھوڑو۔ امسكوهن بمعروفٍ او سرحوهن باحسان۔ نکاح کی معروف صورت کے علاوہ، بدمعاشی پر مبنی تمام صورتوں کو ممنوع قرار دے دیا اور کہا کہ احل لكم ما وراء ذلكم ان تبتغوا باموالكم محصنين غير مسافحين۔ مردوں نے عورتوں کے جسموں کو آمدنی کا ذریعہ بنا رکھا تھا اور انہیں عصمت فروشی پر مجبور کیا جاتا تھا۔ قرآن حکیم نے سختی کے ساتھ اس سے منع کیا اور کہا کہ لا تكرهوا فتياتكم على البغاء اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مَهْرُ الْبَغِيِّ حَرَامٌ فرما کر اس کا دروازہ بالکل بند کر دیا۔ قرآن حکیم نے طلاق کے بعد مرد کو یہ حق بھی نہیں دیا کہ وہ اپنے نومولود بچے کو دودھ پلانے کے لیے اسے مجبور کر سکے۔ بلکہ اسے عورت کی رضامندی پر چھوڑا اور ساتھ ہی اتنے عرصے کے لیے عورت کے تمام اخراجات مرد پر ڈالے۔ چنانچہ حکم ہوتا ہے کہ على المولود له

رزقھن وکسوتھن بالمعروف ۔ حد یہ ہے کہ مرنے والوں کی جائداد میں عورت کے لیے بیوی، بیٹی، بہن اور ماں ہونے کی حیثیت میں باقاعدہ حصے مقرر کیے ہیں ۔ آیۂ توریث کو پڑھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ نازل ہی صرف عورتوں کے حقوق بیان کرنے کے لیے ہوئی ہے۔ مردوں کا ذکر تو صرف ضمناً آ گیا ہے ۔ قرآن حکیم نے عورتوں کو یہ وہ حق دیا ہے جو اس وقت کوئی اور قوم تو کجا دینی، ہمارے دور کی بہت سی ترقی یافتہ اور مرد و زن کی مساوات کی علمبردار قوموں نے بھی نہیں دیا ۔

قرآنِ حکیم نے طبقۂ نسواں کے متعلق اپنی روش کچھ اس طرح رکھی ہے کہ جہاں وہ مردوں کی بدکاریوں کا ذکر نہایت تفصیل سے کرتا ہے ۔ عورتوں کا ذکر اس طرح نہیں کرتا ۔ صرف ایک دو واقعات کا استثناء ہے ۔ اگر کہیں کیا ہے تو مردوں کے ضمن میں ۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی خاطرداری و دلجوئی کا اتنا پاس ہے کہ مفسرینؒ کی روایت کے مطابق بعض آیات ان کی فرمائش و خواہش پر بصیغۂ تانیث نازل ہوئیں ۔

قرآنِ حکیم میں اگر کچھ سورتیں مردوں کے نام پر ہیں تو عورتوں کو بھی اس افتخار سے محروم نہیں رکھا گیا ، بلکہ بعض سورتیں جیسے النساء اور مریم ان کے نام سے معنون کر دیں ۔ حضرت خولہ بنت ثعلبہ سے ان کے خاوند نے ظہار کیا تو قرآن پڑھ کر اندازہ لگائیے کہ اس کا لہجہ ان کے بارے میں کتنا دھیما ، محبت آمیز، ہمدردانہ اور رحم و کرم سے لبریز ہے جب کہ ان کے خاوند کے بارے میں کتنا تند و تلخ اور پُرعتاب ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مظلوم تھیں ۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں کے ذہنوں سے عورتوں کے متعلق اس تحقیر کو جو متواتر چلی آتی تھی، نکالنے کے لیے ہی فرمایا تھا کہ مجھے تمہاری دنیا سے تین چیزیں محبوب ہیں — نماز، خوشبو اور طبقۂ نسواں — آپ کو اس کمزور طبقے کے حقوق کا اس قدر اہتمام تھا کہ حجۃ الوداع اور رحلت کے وقت بھی وصیت فرمائی کہ ان کے حقوق کا خیال رکھنا اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا ۔

قرآنِ حکیم نے انسانی معاشرے کے اس صدیوں سے پستے چلے آنے والے طبقے کو جو حقوق دیئے انہی کا نتیجہ تھا کہ عورتوں میں خود اعتمادی پیدا ہوئی اور وہ جو حیوانِ غیر ناطق بن کر رہ گئی تھیں، اب عمرؓ جیسے مردوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کرنے لگیں اور جب انہیں اس پر تعجب ہوا تو انہوں نے ازواج مطہرات اور حضورؐ کا حوالہ دیا اور پھر یہ وقت بھی آیا کہ ایک خاتون نے حضرت عمرؓ جیسے باہیبت خلیفہ

کو برسرِ منبر ٹوک دیا کہ جب ہمارے خدا نے ہمارے مہر کی کوئی حد مقرر نہیں کی تو تم کو اس کا کیا حق ہے اور انہیں اس عورت کے سامنے گردن ڈال دینا پڑی اور اپنا حکم واپس لے لیا۔ حضرت عمر اُمورِ سلطنت میں عورتوں سے مشورہ لیا کرتے تھے اور حضرت شفاء بنت عبداللہ کو اشیائے صرف کی قیمتوں پر کنٹرول کا کام سپرد کر رکھا تھا۔ عورتیں مختلف کام کر کے اپنی روزی کماتی تھیں۔ قرآن حکیم نے عورتوں کو گواہی کا حق دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ گواہی واقعاتِ زندگی میں شرکت یا ان کے مشاہدے کے بعد ہی دی جاسکتی ہے۔

مَیں سمجھتا ہوں کہ اسلام میں پردے کا حکم بھی عورت کے تحفظ اور اس کی عزت کو قائم رکھنے کے لیے دیا گیا ہے۔ اسلام کو ان کا تقدس اس قدر عزیز ہے کہ وہ نہیں چاہتا کہ کسی کی گناہ آلود نگاہیں اس پر پڑیں۔ اس طرح یہ حکم کسی ناروا پابندی کے بجائے اس کے حقِ احترام و اکرام کی ذیل میں آتا ہے۔

ممکن ہے کہ کچھ لوگ کہیں کہ یہ تم نے کیا بے وقت کی راگنی چھیڑ دی۔ اب تو عورتوں کا راج ہے اور مرد ان کا پانی بھرتے ہیں۔ یہ صورتِ حال کا صرف سطحی مطالعہ ہے۔ بہ نظرِ غائر جائزہ لیا جائے تو عورت اب بھی مظلوم ہے۔ بے شک اسے بہترین لباس اور بہترین خوراک مہیا کی جائے گی۔ اس کے رنگ روغن کے لیے مسالہ بھی مہیا کر دیا جائے گا۔ اور اسے کار میں بٹھا کر یا انگلی سے لگا کر سڑکوں یا پارکوں میں چہل قدمی بھی کرائی جائے گی۔ لیکن اگر آپ غور سے مطالعہ کریں تو محسوس کریں گے کہ مرد اس طرح صرف اپنی آزاد خیالی، ترقی پسندی اور سب سے زیادہ اپنی دولت مندی کا اظہار کر رہا ہے اور عورت کو صرف ماڈل گرل کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اپنے سارے کاروبار کو فروغ دینے کے لیے بھی اُسے استعمال کر رہا ہے۔ ہمارے اخبارات، ہمارے رسائل، ہماری تجارت، ہمارا ادب غرض کوئی ایسا شعبۂ حیات نہیں جس میں عورت کو استعمال نہ کیا جا رہا ہو۔ یہ مقابلہ ہائے حسن، یہ مخلوط سماجی تقریبات، ریڈیو اور ٹی وی یا فلم پر نسوانی آواز و تصویریں یہ سب مرد کی ہوس کاریوں کے مظاہر ہیں۔ عورت کو اپنے جذبات کی تسکین کے لیے برسرِ عام رسوا کیا جا رہا ہے۔ مگر عورت اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے، مرد کے اصل جذبات و محرکات سے بے خبر، اس بات پر خوش ہو رہی ہے کہ اُسے مرد کے برابر حقوق مل گئے ہیں، حالانکہ وہ اپنے حقوق سے آج

بیسویں صدی میں بھی اسی طرح محروم ہے جس طرح چوتھی اور پانچویں صدی میں تھی۔ اسے تلخ حقیقت کا اس وقت سامنا کرنا پڑتا ہے جب وہ کسی معاملہ میں مرد کے سامنے اپنی رائے کا آزادانہ اظہار کرتی ہے یا مرد کی خواہش نفس کے خلاف جاتی ہے چاہے وہ کتنی ہی سچائی پر کیوں نہ ہو۔ طلاق کی تلوار آج بھی اس کے سر پہ بدستور لٹک رہی ہے۔ طلاق دینے کے غیر اسلامی طریقے آج بھی اس کی زندگی کو بدستور تلخ بنا رہے ہیں۔ اس کا حق مہر باندھنے کو تو کئی کئی لاکھ روپے باندھ لیا جاتا ہے، مگر ملتی اسے ایک کوڑی بھی نہیں۔ جب تک وہ اپنے ساتھ مرد کی کئی پشتوں تک چلنے والا ساز و سامان لے کر نہ آئے، کوئی اسے قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔ نئے گھر میں داخل ہوتے ہی اسے چاروں طرف سے رقیبوں اور حریفوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جن میں گھر کر وہ اپنی زندگی کو گھن لگا لیتی ہے۔ جہاں تک حق وراثت کا تعلق ہے، اس اسلامی ملک کے مسلمان باشندوں نے قسم کھا رکھی ہے کہ یہ حق تو اسے کسی قیمت پر نہ لینے دیں گے۔ چنانچہ کہیں تو ان سے زبردستی اقرار نامے لکھوا لیے جاتے ہیں اور کہیں ایسا بھی ہوتا ہے کہ سگے بھائی محض چند مرلے زمین کی خاطر اپنی بہنوں کو اپنے ہاتھوں ٹھکانے لگا دیتے ہیں۔ اسی طرح عورت آج بھی مرد کے پاؤں کی جوتی ہے جب چاہا اتار پھینکی۔ الغرض جاہلیت اولیٰ میں عورت کے ساتھ جو سلوک کیا جا رہا تھا، اگر آپ انصاف سے کام لیں گے تو محسوس کریں گے کہ وہ سلوک اس کے ساتھ جاہلیت ثانیہ کے اس دور میں بھی کیا جا رہا ہے۔ حقوق کشی اور ظلم و ستم کی اس فضا میں ہماری عائلی زندگی میں کبھی امن و سکون نہیں آسکتا۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے معاشرے میں استحکام اور امن و سکون ہو تو ہمیں عورت کے وہ تمام حقوق اور عورت کا وہ مقام بحال کرنا ہوگا جو قرآن حکیم نے اسے دیا ہے۔

یتیم

یتیم کسی معاشرے کا مستقل مظلوم طبقہ تو نہیں ہیں بلکہ باپ کے سایۂ شفقت سے محروم ہو کر بے سہارا ہو جانے کی وجہ سے عموماً ان کے لیے لوگ اپنے دلوں میں جذبۂ ترحم محسوس کرتے ہیں۔ تاہم اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ ایسے سنگ دل لوگ ہمیشہ موجود رہے ہیں جو ان کی مضبوط پشت و پناہ نہ ہونے کی وجہ سے ان کا استحصال کرتے ہیں اور ان پر ظلم و ستم توڑنے سے نہیں چوکتے۔ ناممکن تھا کہ مظلوموں اور محروموں کا حامی قرآن ان کے بارے میں خاموش رہتا۔

اس نے سب سے پہلے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اپنی یتیمی یاد دلائی اور بتایا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو یتیمی کی بے سروسامانی کی حالت سے نکال کر اپنے پاؤں پہ کھڑا کیا۔ پھر معاً یہ نصیحت کی کہ

جب تمہیں اپنے ذاتی تجربے سے معلوم ہے کہ ایک یتیم بچہ کس طرح اس بھری دنیا میں اپنے آپ کو یکہ و تنہا اور بے سہارا محسوس کرتا ہے۔ اس کے دل میں کتنے ہی ارمان اُٹھتے اور ڈوب جاتے ہیں، مگر کوئی اُن کو پورا کرنے والا نہیں ہوتا۔ ناز و نیاز کی کتنی ہی کیفیتیں اس کے ننھے سے دل پہ گذرتی ہیں۔ مگر ان کے اظہار کے لیے اُسے کوئی شفقت بھری ناز بردار گود میسر نہیں آتی۔ وہ چلنا چاہتا ہے، تو کوئی اس کی اُنگلی پکڑنے والا نہیں ہوتا، وہ ٹھوکر کھا کر گرتا ہے تو کوئی اُسے اُٹھانے والا نہیں ہوتا۔ اس لیے کسی یتیم پر سختی کر کے اس کے آبگینۂ دل کو ٹھیس نہ پہنچانا۔ فَاَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ۔ خود مہبطِ وحی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرنے سے مقصود یہ ہے کہ اُمت اس کی اہمیت کو سمجھ لے۔ اس پر بس نہیں۔ قرآنِ حکیم تو یہ چاہتا ہے کہ ان کی بے کسی کی وجہ سے ہمارے دلوں میں اُن کے متعلق استحقار و استصغار پیدا نہ ہونے پائے، بلکہ اس کی جگہ ان کے دلوں میں جذبۂ اکرام و احترام ہو اور جو لوگ انہیں حقیر سمجھتے ہیں، انہیں عذابِ الیم میں ڈالتے ہوئے کہا جائے گا کہ تم یتیموں کا اکرام نہیں کرتے تھے۔ بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ۔

پھر ان بے سہارا اور بے وسیلہ یتیموں کی ضروریاتِ معاش مہیا کرنے کو بہت بڑی نیکی قرار دیا۔ چنانچہ فرمایا:

۱۔ فلا اقتحم العقبة وما ادراك ما العقبة فك رقبة ٥ اطعام في يوم ذي مسغبة ٥ يتيما ذا مقربة ٥

۲۔ ولكن البر من امن بالله واليوم الاخر والملئكة والكتاب والنبيين و اتى المال على حبه ذوي القربى واليتمى ٥

زکوٰۃ و صدقات کے مصارف میں یتیموں کو ایک اہم مصرف قرار دیا تاکہ سماج یا حکومت ان کی کفالت اپنے ذمے لے سکے۔

چند خدا ترس خوش حال لوگ آسانی سے یتیموں کی ضروریات معاش تو شاید مہیا کر دیں لیکن جب تک اُن کو سماج میں اہمیت نہ دی جائے۔ وہ اپنے آپ کو اس سے کٹا ہوا محسوس کرتے رہیں گے اور ایک شدید احساسِ تنہائی انہیں ہر لمحہ اندر سے کاٹتا رہے گا۔ اس امر کے سدِباب کے لیے قرآنِ حکیم نے یہ انتظام کیا کہ مسلمانوں کو پہلی بیویوں کی موجودگی میں یتیم بچوں کی ماؤں کے ساتھ شادی کرنے کی اجازت دی ہے تاکہ ایک طرف وہ خاندان سے وابستہ ہو کر احساسِ تنہائی و بے کسی سے نجات پا سکیں اور دوسری طرف

ان کی مائیں اپنے نئے خاوندوں سے انہیں شفقتِ پدری دلا سکیں۔ چنانچہ فرمایا کہ:

وان خفتم الا تقسطوا فی الیتمی فانکحوا ما طاب لکم من النساء
مثنی وثلث وربع۔

ہوتا یہ تھا کہ اگر کوئی یتیم بچی کسی کھاتے پیتے گھرانے کی بیٹی ہے اور اس نے ورثہ میں کافی جائداد پائی ہے۔ تو حریص وارث اسے اس بات کی اجازت نہ دیتے کہ وہ اپنی مرضی سے کسی دوسرے گھرانے میں شادی کرلے کہ کہیں اس کی جائداد ادھر منتقل نہ ہو جائے یا اُسے زبردستی اس کی مرضی کے برخلاف اپنے خاندان کے کسی فرد سے نتھی کر دیتے تاکہ وہ جائداد انہیں کے پاس رہ جائے۔ اور انہیں مہر وغیرہ کی زحمت بھی نہ اٹھانا پڑے۔ ان تمام زیادتیوں سے یہ کہہ کر روک دیا گیا کہ:

اللہ یفتیکم فیھن وما یتلی علیکم فی یتامی النساء اللاتی لا تؤتونھن
ما کتب لھن وترغبون ان تنکحوھن والمستضعفین من الولدان وان
تقوموا للیتامی بالقسط۔

سنگدل قسم کے رشتہ داروں کے لیے سب سے مرغوب صورت یہ ہے کہ یتیم کی خیر خواہی کے نام پر اس کے مال کو اپنے کاروبار میں لگا یا جائے اور اس آڑ میں آہستہ آہستہ اس کے مال کو ہضم کرلیا جائے۔ خسارے یا کثیر اخراجات کا بہانہ بنا کر اس کی جائیداد کو ٹھکانے لگا دیا جاتے۔ اس سلسلے میں ایک طرف تو یہ فرمایا کہ وہ تمہارے بھائی بند ہیں۔ اگر نیک نیتی سے انہیں اپنے ساتھ ملاؤ گے تو یہ اپنے ہی بھائیوں کی بھلائی اور خیر خواہی ہوگی۔ لیکن یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کی تمہاری نیتوں پر پوری طرح نگاہ ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ کون ان یتیموں کے حالات کو سدھارنا چاہتا ہے اور کون ان کا مال ہتھیانا چاہتا ہے۔ اس کی پکڑ سے ڈرو۔ ان کے مال کو کھانا گویا اپنے پیٹ میں جہنم کے شعلے اتارنا ہے۔

۱۔ لا تاکلوا اموالھم الی اموالکم انہ کان حوبا کبیرا۔ لا تاکلوھا
اسرافا وبدارا ان یکبروا۔

۲۔ ان الذین یاکلون اموال الیتامی ظلما انما یاکلون فی بطونھم نارا
وسیصلون سعیرا۔

ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا کہ جب تک تمہیں یہ یقین نہ ہو جائے کہ وہ اپنے نفع ونقصان کو سمجھنے لگے ہیں

اور ان میں اپنا کاروبارِ معاش خود چلانے کی صلاحیت پیدا ہوگئی ہے۔ اس وقت تک اُن کا سرمایہ ان کے حوالے نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ نادانی میں اپنا سرمایہ تباہ کرلیں اور پھر کوڑی کوڑی کے محتاج ہو جائیں۔ قرآن حکیم کو ان کے سرمایہ کے تحفظ کا اس قدر اہتمام ہے اور ان کے مستقبل کی اتنی فکر ہے کہ وہ سرپرست کو اس بات کی بھی اجازت دیتا ہے کہ اُن کے مال کے تحفظ و فروغ کی وجہ سے اگر اُسے اتنا وقت نہ ملے کہ وہ اپنی روزی کما سکے تو وہ بقدرِ ضرورت و کفایت ان کے مال میں سے استعمال کرسکتا ہے۔

۱۔ ولا تؤتوا السفهاء اموالكم التى جعل الله لكم قياماً ......

وابتلوا اليتامىٰ حتى اذا بلغوا النكاح فان آنستم منهم رشداً فادفعوا اليهم اموالهم۔

۲۔ من كان غنياً فليستعفف ومن كان فقيراً فلياكل بالمعروف۔

تعجب ہے کہ مسلمانوں کی آسمانی کتاب کو تو یتیموں کی فلاح و بہبود کا اس قدر اہتمام ہو لیکن خود مسلمانوں کے معاشرے میں ان کا کوئی پُرسانِ حال نہ ہو۔ وہ یا تو ان سفاک لوگوں کی ستم رانیوں کا شکار رہیں، جو ان کی جائداد ہضم کرنا چاہتے ہیں یا وہ ڈاکوؤں، چوروں، جیب کتروں اور دوسرے سماج دشمن عناصر کی صحبت میں پڑ کر امن و امان کا مسئلہ بنے رہیں یا کچھ عیار لوگ ان کے نام پر دارالیتامیٰ کھول کر بسوں اور گاڑیوں میں اُن سے بھیک منگواتے رہیں۔ سارے مُلک کے اندر معتد بہ تعداد میں ایسے سرکاری یا غیر سرکاری ادارے نہ ہوں جہاں وہ اپنی صلاحیتوں کے مطابق اُونچی سے اُونچی تعلیم اور اعلیٰ سے اعلیٰ ہنر حاصل کرسکیں۔ اور معاشرتی لحاظ سے ایسا مقام حاصل کرلیں کہ سہاروں والے بھی ان پر رشک کریں۔ جس مُلک میں ان کمسن بے سہاروں کے ساتھ یہ سلوک کیا جارہا ہو اور جہاں ان کی اس ننگِ انسانیت حالتِ زار کے مناظر شب و روز عام دیکھنے میں آتے ہوں، میں نہیں سمجھتا کہ اس مُلک کے باشندے کس منہ سے اپنے آپ کو ایک اسلامی مُلک کے باشندے کہلاتے ہیں اور اپنے آپ کو قرآنِ حکیم کے حامل تصور کرتے ہیں۔ (باقی)

حُرمتِ شراب

جناب ڈاکٹر محمد اسحاق صاحب - مدینہ منورہ

يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا۔ (سورۃ البقرہ - آیت ۲۱۹)

ترجمہ: "اے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ سے لوگ پوچھتے ہیں کہ شراب اور جوئے کا کیا حکم ہے۔ اے نبیؐ اُن کو کہو ان دونوں چیزوں میں بڑی خرابی ہے۔ اگرچہ ان میں کچھ منافع بھی ہیں۔ مگر ان کا گناہ ان کے فائدے سے بہت زیادہ ہے۔"

شراب اور جوئے کے متعلق یہ وہ پہلا حکم ہے جس میں صرف اظہارِ ناپسندیدگی کر کے چھوڑ دیا گیا ہے۔ تاکہ ذہن اُن کی حرمت قبول کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔

پھر شراب پی کر نماز پڑھنے کی ممانعت آئی۔ پھر شراب اور جوئے اور اس نوعیت کی تمام چیزوں کو قطعی حرام قرار دیا گیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنتُمْ سُكَارَىٰ۔ (سورۃ النساء - ۴۳)

ترجمہ: "اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب تم نشے کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ"

شراب کے متعلق یہ دوسرا حکم ہے۔ پہلا حکم اُوپر گزر چکا ہے۔ اُس میں صرف یہ ظاہر کر کے چھوڑ دیا گیا تھا کہ شراب بُری چیز ہے۔ اللہ کو پسند نہیں۔ چنانچہ مسلمانوں میں سے ایک گروہ اس کے بعد ہی شراب سے پرہیز کرنے لگا تھا۔ مگر بہت سے لوگ اُسے بدستور استعمال کرتے رہے تھے۔ حتیٰ کہ بسا اوقات نشے کی حالت ہی میں نماز پڑھنے کھڑے ہو جاتے تھے اور کچھ کا کچھ پڑھ جاتے تھے۔

غالباً ۳ھ کی ابتداء میں یہ دوسرا حکم آیا اور نشے میں نماز پڑھنے کی ممانعت کر دی گئی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ لوگوں نے اپنے شراب پینے کے اوقات بدل دیئے۔ اور ایسے اوقات میں شراب پینی چھوڑ دی جن میں یہ اندیشہ ہوتا کہ کہیں نشے کی حالت میں نماز کا وقت نہ ہو جائے۔

اس کے کچھ مدت بعد شراب کی قطعی حرمت کا حکم آیا۔ جو سورۃ مائدہ کی آیت ۹۰-۹۱ میں ہے۔ یہاں یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ آیت میں سُکر یعنی نشہ کا لفظ آیا ہے۔ اس لیے یہ حکم صرف شراب کے لیے خاص نہ تھا، بلکہ ہر نشہ آور چیز کے لیے عام تھا۔ اور اب بھی اس کا حکم باقی ہے۔ اگرچہ نشہ آور اشیاء کا استعمال بجائے خود حرام ہے۔ لیکن نشہ کی حالت میں نماز پڑھنا دوہرا اور عظیم تر گناہ ہے۔

جدید دور میں نشہ آور اشیاء کے نام یہ ہیں۔ شراب، بھنگ، چرس، گانجا، افیون، کلورل ہائیڈریٹ سیکونال سوڈیم، ٹوینال، مارفیا، کوکین، بینزیڈرین، ہیروئن، ایل ایس ڈی اور راکٹ وغیرہ نیز محلول اور سفوف کی بدبو سونگھ کر نشہ کی چیزیں، مثلاً گلیو سنففنگ، کوکین، تمباکو اور چائے وغیرہ میں اگرچہ نشہ نہیں ہوتا، لیکن ان کی عادت عموماً پڑ جاتی ہے۔ ارشاد ربانی کا قطعی حکم:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ
مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ
بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ
الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝ (سورۃ المائدۃ — ۹۰-۹۱)

ترجمہ: اے لوگو! جو ایمان لائے ہو یہ شراب اور جوا اور یہ آستانے اور پانسے یہ سب گندے شیطانی کام ہیں۔ ان سے پرہیز کرو، اُمید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہو گی۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈال دے اور تمہیں خدا کی یاد سے اور نماز سے روک دے پھر کیا تم ان چیزوں سے باز رہو گے؟

اس آیت میں چار چیزوں کو قطعاً حرام قرار دیا گیا ہے۔ ایک شراب دوسرے قمار بازی تیسرے وہ مقامات جو خدا کے سوا کسی اور ہستی کی عبادت کرنے یا خدا کے سوا کسی اور کے نام پر قربانی اور

نذر و نیاز چڑھانے کے لیے مخصوص کیے گئے ہوں۔ چوتھے پانسے۔ شراب کی حرمت کے سلسلے میں اس سے پہلے دو حکم آچکے تھے۔ ایک سورہ البقرہ آیت ۲۱۹ میں، اور دوسرے سورۃ النساء آیت ۴۳ میں اور اب یہ اس سلسلے کا تیسرا حکم تھا۔

اس آخری حکم اور پہلے دو حکموں کے درمیانی عرصے میں حرمتِ شراب کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ میں لوگوں کو متنبہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو شراب سخت ناپسند ہے۔ بعید نہیں کہ اس کی قطعی حرمت کا حکم آجائے۔ لہٰذا جن لوگوں کے پاس شراب موجود ہے وہ اسے فروخت کر دیں۔ اس کے کچھ مدت بعد مذکورہ بالا آیات نازل ہوئیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کرا دیا کہ اب جن کے پاس شراب موجود ہے وہ نہ اسے فروخت کر سکتا ہے اور نہ ہی پی سکتا ہے، بلکہ اسے ضائع کر دیا جائے۔ چنانچہ اسی وقت مدینہ کی گلیوں میں شراب بہا دی گئی۔ بعض لوگوں نے پوچھا کہ ہم یہودیوں کو تحفہ میں کیوں نہ دے دیں؟ آپ نے فرمایا جس نے یہ چیز حرام کی ہے اس نے اسے تحفہ دینے سے بھی منع کر دیا ہے۔ بعض نے پوچھا کہ ہم شراب کو سرکہ میں کیوں نہ تبدیل کر لیں؟ آپ نے اس سے بھی منع فرما دیا۔ اور حکم دیا کہ نہیں اسے بہا دو۔ ایک صاحب نے باصرار دریافت کیا کہ کیا دوا کے طور پر استعمال کی اجازت ہے؟ فرمایا نہیں۔ یہ دوا نہیں ہے بلکہ بیماری ہے۔

ایک اور صاحب نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم ایک ایسے علاقے کے رہنے والے ہیں جو نہایت سرد ہے۔ اور ہمیں محنت بھی بہت کرنی پڑتی ہے۔ ہم لوگ شراب سے تکان اور سردی کا مقابلہ کرتے ہیں۔ آپ نے پوچھا جو چیز تم پیتے ہو وہ نشہ کرتی ہے؟ انہوں نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا تو اس سے پرہیز کرو۔ انہوں نے عرض کیا مگر ہمارے علاقے کے لوگ تو نہیں مانیں گے۔ فرمایا وہ نہ مانیں تو ان سے جنگ کرو۔

مسندِ احمد بن حنبل میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔

لعن اللہ الخمر وشاربہا و بائعہا و مبتاعہا و عاصرہا و معتصرہا و حاملہا والمحمولۃ الیہ۔

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے شراب پر اور اس کے پینے والے پر، پلانے والے پر،

بیچنے والے پر، خریدنے والے پر، کشید کرنے والے پر، کشید کرانے والے پر، سپلائی کرنے والے پر اور وصول کرنے والے پر۔ ان نو آدمیوں پر لعنت کی گئی ہے۔

جبکہ ابن ماجہ کی روایت کے مطابق دس افراد پر لعنت فرمائی گئی ہے۔ اور اس حدیث میں شراب کی کمائی کھانے والے پر بھی لعنت کی گئی ہے۔ حدیث رقم ۳۳۸۰/۳۳۸۱ سنن ابن ماجہ۔ ایک دوسری حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دسترخوان پر کھانا کھانے سے منع فرمایا، جس پر شراب پی جارہی ہو۔ حتیٰ کہ ابتدا میں آپ نے اُن برتنوں تک کے استعمال کو منع فرما دیا تھا جن میں شراب بنائی اور پی جاتی تھی۔ بعد میں جب شراب کی حرمت کا حکم پوری طرح نافذ ہوگیا تب برتنوں پر سے یہ پابندی اُٹھالی گئی۔ خمر کا لفظ عرب میں اکثر انگور کی شراب کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ اور مجازاً گیہوں، جَو، کشمش، کھجور اور شہد کی شرابوں کے لیے بھی یہ لفظ بولتے تھے۔ مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حرمت کے اس حکم کو تمام ان چیزوں پر عام فرما دیا جو نشہ پیدا کرنے والی ہیں۔ چنانچہ احادیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح ارشادات ملتے ہیں جن سے ہر نشہ آور چیز کی حرمت ثابت ہے۔

أن عائشة رضي الله عنها قالت: سُئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن البِتع وهو نبيذ العسل وكان أهل اليمن يشربونه فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم "كُلُّ شَرَابٍ أَسْكَرَ فَهُوَ حَرَامٌ"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شہد کی شراب سے متعلق پوچھا گیا جو یمن والے استعمال کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا ہر نشہ آور شروب حرام ہے۔

(البخاری کتاب الاشربہ باب الخمر من العسل وھو البتع)

عن جابر بن عبد الله۔ أنّ رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ قال "ما أسكر كثيره، فقليله حرام" (سنن ابن ماجہ حدیث رقم ۳۳۹۳)

حضرت جابر بن عبد اللہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ پیدا کرے، اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وانا انهى عن كل مسكرٍ

میں ہر نشہ آور چیز سے منع کرتا ہوں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں شرابی کے لیے کوئی متعین سزا مقرر نہ تھی۔ جو شخص اس جرم میں پکڑا جاتا اُسے جوتے، لات، مکّے، بل دی ہوئی چادروں کے سونٹے اور کھجور کے تنٹے مارے جاتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ چالیس ضربیں آپؐ کے زمانے میں اس جرم پر لگائی گئی ہیں۔

حدیث اَنَس قَالَ: جَلَدَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فِي الْخَمْرِ بِالْجَرِيدِ وَالنِّعَالِ وَجَلَدَ أَبُوبَكْرٍ أَرْبَعِيْنَ ۔ (متفق علیہ)

ایک دوسری حدیث جس کے راوی بھی حضرت انس ہیں، مسند احمد، مسلم، ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کی ہے، جو صحیح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شرابی کو چالیس ضربیں مارنے کا حکم دیا۔ اور ایسا ہی حضرت ابوبکرؓ کے دور میں کیا جاتا رہا۔ جب عمر الفاروق کا دور آیا تو انہوں نے لوگوں سے مشورہ فرمایا۔ عبدالرحمٰن کے مشورہ سے اسّی ضربوں کا حکم رائج کیا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی چالیس کوڑوں کی سزا شرابی کو ابتداء میں دی جاتی رہی۔ جب انہوں نے دیکھا کہ لوگ اس جرم سے باز نہیں آتے تو صحابہ کرام کے مشورے سے ۸۰ کوڑوں کی سزا مقرر کی۔

شریعت کی رُو سے یہ بات اسلامی حکومت کے فرائض میں داخل ہے کہ وہ شراب کی بندش کے اس حکم کو بزورِ قوت نافذ کرے۔ حضرت عمر فاروق کے زمانے میں بنی ثقیف کے ایک شخص رویشد نامی کی دکان اس بنا پر جلا دی گئی تھی کہ وہ خفیہ طور پر شراب بیچتا تھا۔ ایک دوسرے موقع پر ایک پورا گاؤں حضرت عمر فاروق کے حکم سے اس قصور پر جلا ڈالا گیا کہ وہاں خفیہ طریقہ سے شراب کی کشید اور فروخت کا کاروبار ہو رہا تھا۔

حرمتِ شراب اور اس کی تعمیل

عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: کنت ساقی ابا عبیدۃ وابا طلحۃ وأبی بن کعب من فضیخ زھو وتمر فجاءھم آت فقال: ان الخمر قد حرمت فقال أبو طلحۃ قم یا انس فھرقھا فھرقتھا (رواہ البخاری کتاب الاشربہ باب نزل تحریم الخمر وھی من البسر والتمر ومسلم کتاب الاشربہ باب تحریم الخمر وسنن ابی داود والنسائی)

ترجمہ: حضرت انس خادم رسول صلی اللہ علیہ وسلم روایت کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ

ابی عبیدہ، ابوطلحہ، ابی بن کعب کو (کچی پکی) کھجوروں کی شراب پلا رہا تھا کہ ایک آنے والے نے ندا دی کہ شراب کی حرمت کا حکم آچکا ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت ابوطلحہؓ نے کہا کہ اے انس شراب کو بہا دو۔ چنانچہ میں نے شراب کو بہا دیا۔"

اس حکم قطعی آنے کے بعد مدینہ کی گلیوں میں شراب کو کثرت سے بہا دیا گیا۔ بعض نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اُس دن بارش کے پانی کی طرح شراب مدینہ کی گلیوں میں بہہ رہی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنهما قام عمر علی المنبر فقال: اما بعد نزل تحریم الخمر وهی خمسة العنب والعسل والحنطة والشعیر والخمر ما خامر العقل۔ (بخاری)

ترجمہ: "حضرت عمرؓ منبر رسول پر اللہ کی حمد کے بعد خطبہ میں کہتے ہیں کہ حرمتِ شراب کا حکم آگیا۔ اور وہ پانچ قسم کی ہے۔ انگور، کھجور، شہد، گندم اور گیہوں سے، نیز شراب وہ ہے جو عقل کو ڈھانپتی ہے۔"

خمر کس کو کہتے ہیں؟

کل شئ یستر العقل یسمی خمرا لانها سمیت بذالك لمخامرتها للعقل وسترها له۔

ترجمہ: "ہر وہ چیز جو عقل کو ڈھانپ لے خمر کہلاتی ہے۔ اسی سبب ہی سے اس کو عقل کا حجاب کہا گیا ہے۔"

العمامة۔ لان الرجل یُغطّی بها رأسه کما ان المراة تغطّیه بخمارها۔

ترجمہ: "جیسے کہ عمامہ مرد کے سر کو ڈھانپ لیتا ہے اور خمار یعنی نقاب عورت کے منہ کو۔

خمر۔ خمّروا الاناء وکتوا السقاء۔ التخمیر۔ التغطیة

ترجمہ: برتنوں کو ڈھانپو اور مشکیزہ کا منہ بند کرو۔ تخمیر یعنی ڈھانپنا۔

اَلخَمر۔ کل مَا ستَرَ۔ ہر چیز جو ڈھانپے (مراد ہے عقل کو)۔

حضرت امیرالمومنین عمر الفاروق رضی اللہ عنہ نے جب حرمتِ خمر کا آخری حکم آیا تو منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جو خطبہ دیا تھا اس میں شراب کا جو معنی انہوں نے بیان کیا وہ سب سے زیادہ مناسب ہے اور یہی شراب کی جامع و مانع تعبیر ہے۔

اَلْخَمْرُ مَا خَامَرَ الْعَقْلَ (بخاری)

"شراب وہ ہے جو عقل کو ڈھانپ لے۔"

یہ تو معانی تھے شراب کے لغت اور اہلِ عرب کے نزدیک۔ اللہ تعالیٰ کے کلام سے بھی سَکَر کا لفظ ثابت ہے۔

تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا (سورۃ النحل - ۶۷)

جسے تم نشہ آور بنا لیتے ہو۔

نیز سابقہ اوراق میں احادیثِ مبارکہ میں اَسْکَرَ کا لفظ متعدد بار آچکا ہے جس کے معانی ہیں ہر نشہ آور چیز۔

خمر یعنی شراب اصل چیز ہے اور اس کے اور اس کی طرح کی اشیاء کے لیے اَسْکَرَ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے یعنی ہر وہ چیز جو نشہ آور ہو۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ خمر نشہ آور چیز ہے اور ہر نشہ آور چیز عقل کو ڈھانپ لیتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ نشہ میں مدہوش آدمی کسی بھلائی اور برائی کی تمیز نہیں کر پاتا۔

(باقی)

اسلام پر جی ایم سیّد کے اعتراضات

جناب سیّد پروفیسر محمد سلیم صاحب

محمد موسیٰ بھٹو نے "جی ایم سیّد، ایک تجزیہ، ایک مطالعہ" نامی کتاب مجھے مطالعہ کے لیے بھیجی۔ اس کتاب میں ان مختلف اعتراضات کا ذکر ہے جو جی ایم سیّد نے اسلام پہ کیے ہیں۔ ذیل میں ہم ان اعتراضات کا جائزہ لیتے ہیں اور پہلے قانونِ شریعت کی حقیقت واضح کی جاتی ہے۔

قانونِ شریعت انسانی عقل انفرادی ہو یا اجتماعی ابھی ترقی پذیر ہے۔ بعض حقیقتوں تک اس کی رسائی ہو گئی ہے اور بعض ابھی تک اس کی دسترس سے باہر ہیں۔ مادی اشیا کی حقیقت تک وہ آسانی سے پہنچ سکتی ہے لیکن عمرانی دنیا میں انسانی اور معاشرتی مسائل کی حقیقت تک پہنچنے میں اسے صدیاں لگ جاتی ہیں۔

۱۵۰۷ء میں پرتگالی امریکہ کے جزیرہ ٹباگو (TOBAGO) سے ایک نشہ آور پودا لائے اور انہوں نے سارے برصغیر میں پھیلا دیا۔ یورپ، ایشیا، دنیا کے دوسرے ممالک میں پھیلا دیا۔ اس طرح نسلِ انسانی کو تمباکو کے نشہ کا عادی بنا دیا۔ اب ڈاکٹروں کی تحقیق سے پتہ چلا کہ یہ مختلف امراض پیدا کرتا ہے۔ اب یہ طے ہوا ہے کہ سگریٹ کے پیکٹ دوا فروش بیچیں اور ہر پیکٹ پر "زہر" لکھا جائے تاکہ لوگ اس سے بچیں۔ یہ دریافت پورے چار سو سال بعد ہوئی۔ تقریباً چار صدیوں تک لوگ اس زہر کو کھاتے رہے۔ اسی طرح ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان میں آکر محض نفع خوری کے نقطۂ نظر سے افیون کی خوب کاشت کرائی اور پھر اس کو پہلے ہندوستانیوں کو کھلایا اور پھر اہلِ چین کو ــــ اور جب اہلِ چین نے مزاحمت کی تو ان سے جنگ کی۔ پہلی افیون کی جنگ (۱۸۴۰ ـ ۴۲ء) میں اور دوسری افیون کی جنگ ۱۸۵۶ء میں ہوئی۔

اب موجودہ حکومت نے اپنی قوم کو افیون سے نجات دلائی ہے۔ انسان اس طرح صدیوں تجربہ میں وقت گزار کر لاکھوں انسانوں کا نقصان کر کے اس حقیقت پر پہنچتا ہے۔ تب وہ کہہ سکتا ہے کہ یہ مفید ہے یا مضر ہے۔

دو صدیاں "ہم جنسی" کی ذلیل قسم کی شہوت رانی کرنے کے بعد اب معلوم ہوا کہ یہ "ایڈز" کے لاعلاج مرض کو پھیلانے کا وسیع الاثر ذریعہ ہے، جس کا انجام صرف موت ہے۔ انسانوں کی تو رفتار کار یہ ہے۔ اب اگر اللہ تعالیٰ کا فرستادہ رسولؐ برتر ذریعۂ علم وحی سے پہلے ہی سے لوگوں کو بتائے کہ نشہ ہر قسم کا حرام ہے۔ اس کے قریب نہ جاؤ۔ زناکاری اور ہم جنسی بُری چیز ہے۔ اس سے امراض پیدا ہوتے ہیں تو انسانیت کے حق میں اس کا متنبہ کر دینا کیا بہتر نہیں ہے؟ اوّل تو بہت سے اُمور کی عمرانی دنیا میں انسان کو حقیقت معلوم نہیں ہوتی اور بالفرض معلوم بھی ہو تو اس پر عمل کرنے میں صدیاں بیت جاتی ہیں۔ اس لیے رحیم و کریم خداوند تعالیٰ نے یہ مہربانی فرمائی کہ چند چیزوں کو حرام قرار دے دیا۔ چند کو حلال کر دیا۔ اور چند اُمور کو انسان اپنے تجربہ سے خود ہی اپنے طور پر معلوم کر سکتا ہے، ان کو انسان کے لیے چھوڑ دیا۔ شریعت نے یہ نہیں بتایا کہ زہر کھانا حرام ہے، اس لیے کہ یہ امر انسان خود ہی معلوم کر سکتا ہے۔ اس لیے شریعت کا قانون انسانوں کے لیے رحمت ہے۔ نادان ہیں وہ لوگ جو اس کی حکمتوں کو چیلنج کرتے ہیں۔

مساعیٔ نفاذِ شریعت پر اعتراض

اعتراض ـــــ "پاکستان میں ملّا اپنی طاقت میں اضافہ کرنے کے لیے ان فرسودہ قوانین کو دوبارہ مروّج کرنے کے لیے کوشاں ہیں"

اسلامی قانون تمام اسلامی ملکوں میں گذشتہ ۱۴ صدیوں سے رائج تھا۔ مغرب کی قوموں نے غلبہ پانے کے بعد اس کو ختم کر دیا تھا۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد مسلمان ممالک آزاد ہو گئے۔ اب ان کے اندر انفرادیت اور خود شعوری کا جذبہ اُبھر رہا ہے۔ اس لیے وہ رومن لا کو پھینک کر اپنا قانونِ شریعت نافذ کرنا چاہتے ہیں۔

شریعت کے قانون کی اہمیت اور برتری اب غیر مسلموں پر بھی واضح ہوتی جا رہی ہے۔ لنکن بار (LINCOLIN BARR) کے ہال (انگلستان) میں جن چار بڑے بڑے قانون سازوں کے نام درج ہیں، ان میں سب سے اوّل حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ نامی ہے۔ برلن میں بین الاقوامی

قانون کے ادارہ کا نام " امام حسن بن شیبانی انسٹی ٹیوٹ " ہے۔ یہ اسلامی قانون کی عظمت کا اعلان ہے۔

حرمتِ سود

اعتراض : " شریعت کا قانون ناکارہ ہو گیا۔ آج کل سود کے بغیر کاروبار نہیں چل سکتا۔ مسلمان ملکوں میں بھی سود کا کاروبار چل رہا ہے۔"

یورپ میں تو سرمایہ داری کے خلاف آواز انیسویں صدی میں کارل مارکس (۱۸۱۸ء-۱۸۸۳ء) نے اُٹھائی ہے، لیکن اسلام نے ۱۴ سو سال قبل اس کے خلاف آواز اُٹھائی ہے۔[1] قرآن کہتا ہے:

" ایسا نہ ہو کہ مال تمہارے سرمایہ داروں کے درمیان ہی گردش کرتا رہے۔"

(حشر - ۷)

تشخیص ہو جانے کے بعد بھی یورپ میں علاج کے لیے صحیح قدم نہیں اُٹھایا گیا۔ اس لیے کہ یورپ کے تمام ملکوں پر یہودی سود خواروں کی گرفت بڑی مضبوط ہے۔ اسلام نے سرمایہ داری کے انسداد کا صحیح علاج بھی بتایا۔ اس نے ہر قسم کے سود کی ممانعت کر دی۔ جب مسلمان ممالک آزاد ہوئے اور ان کے اندر خود شعوری کا جذبہ اُبھرا تو انھوں نے سود کو حرام قرار دینے کے لیے اقدامات کیے۔ گذشتہ ایک عشرہ سے اس سلسلہ میں بہت پیش رفت ہوئی۔ کئی ملکوں میں بلاسود بنک کاری پر تجربہ ہو رہا ہے۔ مغرب میں بھی ایسے بنک قائم ہو چکے ہیں۔ آہستہ آہستہ یہ تجربات بہتر شکل اور معیار اختیار کر لیں گے۔

اس لیے سود کو حرام قرار دینا تو اسلام کی رحمت ہے، انسان کے لیے۔

حرمتِ قمار (جوا)

بلاشبہ اسلامی ملکوں میں جوا جاری ہے، حالانکہ اسلام نے اس کو حرام قرار دیا ہے، مگر یہ سب استعمار کی غلامی کے اثرات ہیں۔ سرمایہ دار جہاں سود کے ذریعے غریبوں کا خون چوستا ہے، وہاں جوئے اور لاٹری سے تو بدرجۂ اولیٰ چوستا ہے۔ اسلام نے جب سود کو حرام قرار دیا ہے تو جوئے کو بھی ضرور حرام رہنا چاہیے۔ یہ بھی انسانوں کے لیے رحمت ہے۔

---

[1] اور ایسا نظام نافذ کر کے اور خدا پرست معاشرہ قائم کر کے عملاً دکھا دیا کہ اسلام کے سایے میں سرمایہ داری نشوونما نہ پا سکی۔ (مدیر)

حرمتِ شراب

قتلِ انسان اگر حرام ہے تو شعور، عقل، فہم انسانی کا قتل بھی حرام ہونا چاہیے - اس لیے انسان مادی جسم کا نام تو نہیں ہے وہ تو شعور اور عقل کا نام ہے۔ دوسرے قانون ساز اس حقیقت تک نہ پہنچ سکے۔ انہوں نے قتلِ انسانی کو تو حرام قرار دیا، مگر قتلِ شعورِ انسانی کو حرام قرار نہیں دیا - اسلامی شریعت معاملات کو گہرائی میں دیکھتی ہے - اس نے قتلِ شعور کو بھی حرام قرار دیا ہے۔

سُود، جُوا، شراب وہ اُمور ہیں جن میں انسانی عقلیں آج تک حقیقت تک نہ پہنچ سکیں - یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اُس نے انسانوں کا بھٹکتے رہنا گوارا نہیں کیا اور صحیح رہنمائی کی اور ان چیزوں کو حرام قرار دیا۔

حُدودُ اللہ

اعتراض :- "شریعت نے چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا - زنا کی سزا سنگسار کرنا قتل کی سزا قتل کرنا قرار دیا ہے، لیکن موجودہ دور ان سزاؤں کو وحشیانہ قرار دے کر رَد کر چکا ہے"۔

مجرم کو سزا دینے کا مقصد جرم کا انسداد کرنا ہے - مجرموں کو شرعی سزا دینے سے جرائم کا انسداد بخوبی ہوتا ہے - جس کو مشاہدہ کرنا ہو وہ سعودی عرب میں جا کر کر سکتا ہے - اور "مہذب اور شریفانہ" سزاؤں سے جرائم کس ہولناک نسبت سے فروغ پا رہے ہیں - اس کا مشاہدہ کرنا ہے تو امریکہ میں جا کر کریں - اب آپ فیصلہ کریں کہ جرائم کا انسداد چاہتے ہیں یا فروغ ؟

آج کل جرائم سے متعلق غور و فکر کے حلقوں میں یورپ میں یہ موضوع بھی زیرِ بحث ہے کہ بھاری جرائم میں سزا بڑی ہو یا چھوٹی ؟ ایک مرتبہ سزا دے کر قصہ ختم کر دینا بہتر ہے، یا سالوں جیل خانہ میں سڑانا، اس کو اور اس کے خاندان والوں کو سالوں نفسیاتی اذیت دینا اور اس کو نفسیاتی امراض میں مبتلا کرنا بہتر ہے ؟ پہلا طریقہ اسلام نے رائج کیا ہے، دوسرا طریقہ یورپ میں رائج ہے - اس سلسلہ میں اگر کسی شخص کو دلچسپی ہو تو نوبل انعام یافتہ (ALEXIS CARREL) کی کتاب REFL-ECTION کا مطالعہ فرمانا چاہیے۔

حجاب نسواں

اللہ تعالیٰ نے طبعاً عورت پر یہ وظیفہ عائد کیا ہے کہ وہ بچہ پیدا کرتی ہے۔ اس کی پرورش کرتی ہے۔ دوسرے تمام جانوروں کے مقابلے میں انسانی بچہ کافی عرصے کے بعد جسمانی اور ذہنی بلوغ کو پہنچتا ہے۔ اس سارے عرصے میں ماں یعنی عورت کا سایہ اس پر ہوتا ہے۔ مرد پر اس نوعیت کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ اس لیے بیرونِ خانہ اُمور وہ انجام دیتا ہے۔ اسلام نے اس طبعی تقسیم کو قبول کر لیا ہے۔ اور روزگار کمانے کی ذمہ داری سے عورت کو محفوظ رکھا۔ بچوں کی پرورش اور تربیت ہی اس پر بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ اور بیرونی کام اور روزگار کمانے کی ذمہ داری اسلام نے مرد کے ذمے لگائی ہے۔ یہ نہایت منصفانہ تقسیم ہے۔ دونوں کی ذمہ داریاں برابر ہیں۔

اب مغربی تہذیب نے عورت کو باہر نکالا، اس کو بھی کمانے پر لگایا۔ اب صورتِ حال یہ ہے کہ عورت بچوں کی پیدائش اور پرورش بھی سنبھالے۔ اس لیے کہ اس کام میں تو مرد اس کا ہاتھ بٹا ہی نہیں سکتا۔ اور اس کے ساتھ وہ کمائی بھی کرے۔ مرد کے ساتھ اب عورت مل گئی۔ اس لیے کمانے میں مرد کا بار تو نصف رہ گیا اور عورت کا بار ڈیوڑھا ہو گیا۔ کیا یہ انصاف ہے؟ یہ عورت کی آزادی ہے یا اس پر ظلم ہے؟ دوسرا اس ناروا تقسیم کا بُرا اثر اولاد پر پڑا۔ اب ماں کو اپنی نوکری سے فرصت نہیں ملتی۔ وہ تربیت نہیں کر سکتی۔ اس لیے مغرب میں ناشائستہ اور غیر مہذب اولاد پیدا ہو رہی ہے۔ جو ماں اور باپ کے حقوق ہی ادا نہیں کرتی، دوسروں کے کیا کرے گی۔

رہا پردہ کا سوال کہ اسلام نے اسے کیوں رائج کیا، تو ذرا نفسیات کے ماہرین سے جا کر دریافت کیجیے۔ فرائڈ سے، ژنگ سے اور ایڈلر سے پوچھیے کہ راہ چلتے پھرتے ہر وقت جو آراستہ و پیراستہ عورت سامنے آتی ہے۔ اس کے کس قدر بُرے اثرات نفسِ انسان پر پڑتے ہیں۔ مغرب نے جنسی اشتہاکی تسکین کے تمام اسباب پیدا کر دیئے۔ سہولتیں مہیا کر دیں۔ سویڈن میں بازار میں جنسی دکانیں (SEX HOUSE) اس طرح جگہ جگہ کھلی ہوئی ہیں۔ جس طرح ہمارے شہروں میں حجاموں کی دکانیں کھلی ہوتی ہیں۔ لیکن پھر بھی سب سے زیادہ امراض سویڈن میں ہیں۔ سب سے زیادہ خودکشی دنیا میں اگر کہیں ہوتی ہے، تو وہ سویڈن ہی میں ہوتی ہے۔

یہ تو اسلامی شریعت کا بہت بڑا احسان ہے نوعِ انسانی پر کہ اوّل تو اس نے عورت مرد کے درمیان منصفانہ

تقسیم قائم کردی۔ پھر پردہ کا حکم دے کر انسانوں کو لاتعداد نفسیاتی اور اخلاقی جرائم سے محفوظ کر دیا۔

کثرتِ ازدواج

قدیم و جدید، مشرق و مغرب، ماضی و حال کبھی بھی مرد نے ایک عورت پر قناعت نہیں کی ہے۔ اِلّا ماشاء اللہ۔ جہاں یک زوجگی کا قانون نافذ ہوتا ہے، وہاں کسی نہ کسی صورت میں زناکاری رائج ہوتی ہے۔ معاشرہ چشم پوشی کرتا ہے۔ اخلاقی اعتبار سے مجرم بنتا ہے۔ اسلام نے زناکاری کو ہر صورت میں ختم کر دیا۔ اس لیے اسلام نے چار شادی تک کی اجازت دے دی۔ یہ لازمی نہیں ہے، صرف مباح ہے۔ آج کے ایک شخص کی بیوی تو ایک ہے، مگر تین چار سے اس کے ازدواجی تعلقات ہیں۔ وہ زنا کرتا ہے۔ اب حقیقت کے اعتبار سے تو اس کی بھی ۴-۵ بیویاں ہیں۔ گو جائز صرف ایک ہے۔ ازدواجی خدمت ۴، ۵ انجام دیتی ہیں۔ قانونی حقوق صرف ایک کو ملتے ہیں۔ وارث صرف ایک بنتی ہے۔ کیا یہ ان عورتوں کے حق میں ظلم نہیں ہے، حق تلفی نہیں ہے؟ اسلام یہ کہتا ہے کہ چار تک شادی کر سکتے ہو، چاروں کو معاشرہ میں برابری کے حقوق حاصل ہوں۔ قانونی حقوق حاصل ہوں۔ وراثت میں شریک رہیں۔ اب آپ خود ہی فیصلہ کیجیے کہ کس کا قانون حق پسند ہے اور منصفانہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ معاشرتی معاملات میں انسان افراط و تفریط میں مبتلا رہتا ہے۔ انصاف اور حق صرف قانونِ شریعت سے حاصل ہوتا ہے۔

غلامی

محکوم قوموں کے ساتھ برتاؤ کے تین طریقے ملتے ہیں۔ ایک طریقہ ان کو قتل کر دینے کا ہے۔ امریکہ کے ہندوستانی احمر، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کی ماؤری نسل (MAORY) کا نام مٹ گیا۔ اب ان کو ایسے رکھا جاتا ہے جیسے بلوچستان میں مارخور کی حفاظت کی جاتی ہے۔ دوسرا طریقہ بھی تشدد و اذیت کا ہے جیسے امریکہ کی حبشی آبادی یا جیسے جنوبی افریقہ کی کالی آبادی کے لیے روا رکھا گیا ہے۔ تیسرا طریقہ انسانی حقوق سے محروم کرنا اور خدمت گار بنا لینا ہے۔ جیسے ہندوستان میں اچھوت آبادی ہے کہ پانچ ہزار سال سے وہ انسانی شرف سے محروم چلے آتے ہیں۔ اور اونچی قوموں کی خدمت گاری کرتے چلے آتے ہیں۔[1]

---

[1] چوتھا طریقہ کسی قوم کو کولہو میں پیلنے کا یہ ہے کہ اُسے فسادات کا نشانہ بنایا جائے (باقی بر صفحہ آئندہ)

اسلام نے ان کے برخلاف یہ طریقہ اختیار کیا کہ محکوم کو شرفِ انسانیت سے ہمکنار کیا جائے۔ سارے انسان ایک کنبہ ہیں اس لیے ان کو باہم خلط ملط ہو جانا چاہیے تاکہ نہ تفریق باقی رہے، نہ تحقیر و تذلیل ہو۔ اس لیے اس نے شادی بیاہ کا طریقہ رائج کیا۔ جب کسی عورت کا بچہ پیدا ہو جاتا —— تو وہ خود بخود آزاد ہو جاتی۔ اس لیے زیادہ سے زیادہ ایک یا ڈیڑھ نسل ہی وہ غلام ہوتے ہیں۔ پھر نہ صرف یہ آزاد ہو جاتے ہیں، بلکہ گھل مل کر ایک بن جاتے ہیں۔ ڈیڑھ نسل کو عموماً نہیں زیرِ نگرانی اور زیرِ انتداب بطورِ غلام رکھا جاتا ہے وہ اس لیے کہ وہ نئے نئے محکوم بنے ہیں، ضرور ان کے دل غیظ و غضب کے جذبات سے لبریز ہوں گے۔ ایک تو اس طرح ایک ایک فرد کی نگرانی صحیح طور پر ہو گی۔ دوسرے ایک ایک فرد کے گھر میں رہ کر وہ گھر کے ایک فرد کی طرح معاملات دیکھے گا، تو وہ نئے ماحول سے مانوس ہو جائے گا اور اس کو پسند کرے گا۔ واضح رہے کہ اسلام کا حکم یہ ہے کہ جو تم خود کھاؤ وہ خادم کو کھلاؤ، جو تم پہنو وہ غلام کو پہناؤ۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کے متعلق عام روایت میں آتا ہے کہ جب وہ چلتے تھے تو عام طور پر لوگ پہلے ان کے غلام کی طرف متوجہ ہوتے تھے، اس کے اچھے لباس کی وجہ سے۔

ایک دو نسلوں کے بعد ان غلاموں میں سے وہ لوگ پیدا ہوئے جو عالمِ اسلام میں بلند ترین علم و فضل کے حامل افراد قرار دیے جاتے ہیں۔ امام حسن بصریؒ، امام ابو حنیفہؒ، امام اوزاعیؒ سب موالی غلام یا غلام زادے تھے۔ آج یہ سب مسلمانوں کے امام ہیں، محترم ہیں، مقتدیٰ ہیں۔ اسلام میں غلاموں نے حکومت کی ہے۔ مثلاً ہندوستان میں خاندانِ غلاماں اور مصر میں خاندانِ ممالیک۔ درحقیقت اسلام میں غلامی قومیانے یا قوم میں جذب کر لینے (NATIONALISATION) کا طریقہ کار تھا۔ اس طریقے سے اسلام نے تمام نسلوں کو، تمام قوموں اور قبیلوں کو ملا کر ایک قوم اُمتِ مسلمہ بنا دی۔ اسلام کی غلامی سے امریکہ کی غلامی کا دُور دُور کا بھی تعلق نہیں ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

بار بار قتلِ عام کیا جائے، ذرائع معاش ختم کیے جائیں، تعلیم سے محروم کیا جائے، ملازمتوں سے نکالا جائے۔ اس کی زبان، تہذیب، معاشرت، قدروں، شعائر اور پرسنل لا کو تباہ کر کے اس کا تشخص باقی نہ چھوڑا جائے۔ اس کی مثال بھارت اور بعض دوسرے ملکوں میں مسلمانوں کے ساتھ ہونے والا سلوک ہے۔ (مدیر)

دوسری قومیں بتا سکتی ہیں کہ روس میں کوئی ترکستانی صدر بنا؟ امریکہ میں کوئی حبشی صدر بنا؟ مسیحیت میں کوئی حبشی پوپ بنا؟ آج بھی غیر مسلموں میں سے کوئی مسلمان بن جائے اور اہلِ علم ہو تو ہم اس کو سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں۔ مولانا شبلی، مولانا محمد علی، مفتی کفایت اللہ، مولانا عبید اللہ سندھی سب ہندو خاندانوں سے نسل کر آئے تھے۔

قربانی

اعتراض ــــــ "اس وحشیانہ رسم کی ادائیگی کے لیے مسلمان ہر سال حج کے موقع پر کروڑوں جانور ذبح کر ڈالتے ہیں"۔

اگر کسی کو حیوانوں کا چیمپین بننا ہے تو اس کو مسلمانوں کے باہر بھی دیکھنا چاہیے۔ عیسائی بڑے دن کرسمس کے موقع پر اکیلے شہر نیویارک میں دس لاکھ فیل مرغ (TURKEY) کھا جاتے ہیں۔ عیسائی دنیا کے دوسرے شہروں کا حال بھی اسی پر قیاس کر لیں۔ اسی طرح چین میں سردیوں کے ایک تہوار کے موقع پر اکیلے بیجنگ میں ۱۰ لاکھ سانپ کھائے جاتے ہیں۔ جو مہینوں قبل جمع کیے جاتے ہیں۔ چین کے دوسرے شہروں میں بھی اسی طرح کا حال ہے۔ پھر ساری دنیا میں سائنس کی مختلف لیبارٹریوں میں روزانہ لاکھوں مینڈک، چوہے، خرگوش، بندر وغیرہ پر تجربے ہوتے رہتے ہیں۔ بے رحمانہ طریقہ پر ان کو مارا جاتا ہے۔ بعض کو زندہ زہروں اور تیزابوں میں جھونک دیا جاتا ہے۔ حیوانوں کے چیمپین صاحب کا فرض ہے کہ وہ ان سب کے خلاف بھی آوازِ احتجاج بلند کریں۔

ہندو اہنسا کے قائل ہیں مگر صرف گائے کی حفاظت تک ان کی اہنسا محدود ہے۔ دوسرے جانوروں کی بے رحمی سے وہ بھی تعلق نہیں رکھتے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد ہندوؤں نے گائے کے تحفظ کے قوانین بنائے اور قربانی بند کرا دی۔ یو پی کے جنگلوں میں ایک جنگلی گائے ہوتی ہے۔ اس کو نیل گائے کہتے ہیں۔ تحفظ کا قانون اس پر بھی لاگو ہوا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ چند سالوں میں ہی اس کی نسل بہت زیادہ بڑھ گئی۔ ان گایوں کا گلہ جس کھیت پر جا کر پڑتا تھا، اس کو چٹ کر جاتا تھا۔ سارے کاشتکار فصلوں کے تحفظ کے لیے نیل گائے کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ آخر یو پی کی اسمبلی نے قانون پاس کیا کہ آئندہ سے اس جانور کا نام نیل گائے نہیں، بلکہ نیل گھوڑا ہے۔ اب اس کو مار سکتے ہیں۔

جن گایوں کا تحفظ ہوتا ہے ان کا حال بھی سن لیجیے۔ جب تک وہ کارآمد ہوتی ہیں، دودھ دیتی

ہیں، لوگ ان کو پالتے ہیں، اُن کی نگہداشت کرتے ہیں، لیکن جب اُن کا رفتہ ہو جاتی ہیں، تو لوگ اُن کو گھر سے نکال دیتے ہیں۔ اب وہ اُس دکان پر منہ مارتی ہیں، اس دکان پر منہ مارتی ہیں دکان دار تو سلاتے نہیں ہاتھوں سے دھکے دیتے ہیں۔ ایسی آوارہ اور ناکارہ گایوں کے لیے حکومت نے کانجی ہاؤس بنا رکھے ہیں۔ ان کی تعداد بڑے شہروں میں بہت زیادہ ہوتی ہے۔ ہر محلہ میں انسانوں کے لیے ہسپتال تو میسر نہیں ہیں، لیکن کانجی ہاؤس اور گئو رکھشا کے مراکز قائم ہیں جب وہ مرنے لگتی ہیں اور سسکنے لگتی ہیں تو اُن کو شہر کے باہر ۱۰۰-۲۰۰ میل کے فاصلہ پر ایک گائے "مرگھٹ" میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ جہاں سسک سسک کر مر جاتی ہیں۔ کتے، بلی، گدھ، چیل ان کو بھنبھوڑتے رہتے ہیں۔ اور کم از کم دس دس میل کے حلقے میں بدبو پھیلی رہتی ہے۔

کیا جانوروں کا یہ انجام بہتر ہے یا یہ بہتر ہے کہ وقتاً فوقتاً اُن کو ذبح کیا جاتا رہے۔ گائیں بےجا مصیبت اور دردناک موت سے بچ جائیں۔ لوگ بھی گوشت کھائیں، ان کی کھال ہڈی بھی استعمال ہو۔ فیصلہ کیجیے، کون طریقہ بہتر ہے!

انسانی عقل یک رخی ہوتی ہے کسی نہ کسی ایک پہلو کا اس پر غلبہ رہتا ہے اور شریعت کی نظر جامع ہوتی ہے۔ تمام پہلوؤں پر اور تمام نتائج پر نگاہ رکھتی ہے۔ (باقی)

(بقیہ شریعت بل اور اس کے ناقدین)

۴- ملک میں شدید دعوتی و تبلیغی بحران پایا جاتا ہے، جس کی وجہ سے معاشرہ اخلاقی پستیوں میں گرتا جا رہا ہے۔ اب ضرورت ہے کہ تمام دینی عناصر ایک دوسرے کے تعاون سے ملک میں پائے جانے والے اس تبلیغی خلا کو پر کرنے کی کوشش کریں۔ تبلیغ کے ذریعے رائے عامہ کی تربیت کریں۔ اور پھر اسے منظم کر کے اس کی قوت کو شریعت کی بالادستی کی تحریک کے حق میں استعمال کریں، تاکہ جب یہ تحریک ظفریابی کی منزل کو پہنچے تو اس مقصد کے لیے ایک طرف باصلاحیت مردان کار کی موزوں ٹیم بھی میدان میں موجود ہو۔ اور دوسری طرف رائے عامہ کی منظم قوت بھی اس کی پشت پناہ ہو، تاکہ سازشی عناصر کے مکر و فریب کی چالیں کامیاب نہ ہو سکیں۔

رسائل و مسائل

ملازمت، فاسد حالات اور مسئلہ اضطرار

جناب مولانا عبد المالک صاحب۔ منصورہ لاہور

سوال: - میں محکمہ خوراک میں فوڈ گرین سپروائزر کی حیثیت سے ملازم ہوں۔ مرکز خرید گندم پر تعینات ہوں۔ گورنمنٹ نے میرے ذمے یہ ڈیوٹی لگائی ہے کہ میں گندم کی خرید و فروخت کا مکمل حساب رکھوں۔ اور جب افسرانِ مجاز چاہیں، یہ حساب کتاب اُن کی خدمت میں پیش کر دوں۔

میری تنخواہ اس وقت سات سو روپیہ ہے۔ محکمہ خوراک رشوت کے معاملے میں بدنام ہے لیکن میں رشوت لینے اور رشوت دینے والے کو جہنم کا ایندھن سمجھتا ہوں۔ مسئلہ یہ ہے کہ افسرانِ بالا کی جب کوئی معائنہ ٹیم آتی ہے تو اُن کی جائز و ناجائز ضروریات نچلے درجے کے ملازمین کی تنخواہیں کاٹ کر پوری کی جاتی ہیں۔ یہ صورتِ حال ایک ایسے شخص کے لیے ناقابلِ برداشت ہے، جو اپنے گھر سے دُور محض اپنی تنخواہ میں گذر اوقات کرنا چاہتا ہو۔

ہمیں اپنی ڈیوٹی کی ادائیگی کے سلسلے میں بیوپاری حضرات سے تعاون کرنا پڑتا ہے۔ بیوپاری حضرات ہم سے باردانہ خریدتے ہیں اور اس میں مال بھر کر محکمہ خوراک کو فروخت کر دیتے ہیں۔ جس سے انہیں لاکھوں روپے منافع ہوتا ہے۔ اس منافع کا ایک خاص حصہ ڈیپارٹمنٹ میں جمع کروا دیا جاتا ہے۔ اور سیزن ختم ہونے پر تمام ملازمین میں یہ منافع تقسیم

کر دیا جاتا ہے۔ جب کہ قانون اس پر خاموش ہے۔ ہمارے حصے میں آنے والی رقم کو "تعاون" کا بدل قرار دیا جاتا ہے۔ ہمارا تعاون یہ ہے کہ ہم انہیں باردانہ اور دیگر اشیا بار ذاتی ضمانت پر دیتے ہیں۔ اور قانون بھی اس کی ہمیں اجازت دیتا ہے۔ اس مال (باردانہ) کی خراب حالت میں واپسی یا عدم واپسی کی صورت میں گورنمنٹ ہماری تنخواہیں کاٹ لیتی ہے۔ گورنمنٹ اپنا نقصان پورا کر لیتی ہے۔ ہم تنخواہوں میں ہونے والی کمی یا کٹوتی کس طرح پوری کریں۔ ہماری یہ حالت "اضطراری حالت" ہے۔ ہم اس حالت میں متذکرہ منافع لے کر اپنا نقصان پورا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ منافع کی پوزیشن یہ ہے کہ دینے والے خوشی سے دیتے ہیں۔ ان پر کسی قسم کا جبر نہیں کیا جاتا۔ اور عدم ادائیگی کی صورت میں بھی انہیں قانونی تعاون فراہم کیا جاتا ہے۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا ایک مجبور شخص متذکرہ منافع وصول کر سکتا ہے؟ جب کہ:

— وہ رشوت لینے اور دینے پر یقین نہیں رکھتا۔

— جب کہ وہ شخص غریب فیملی سے تعلق رکھتا ہے اور ملازمت چھوڑنا اس کے بس کی بات نہیں۔

— جب کہ اس کی حلال تنخواہ میں سے کچھ رقم کاٹ کر محض افسروں کی چاپلوسی پر خرچ کر دی جاتی ہے اور اس کے احتجاج کو در خورِ اعتنا نہیں سمجھا جاتا۔

— جب کہ وہ شخص گورنمنٹ کی ڈیوٹی ایمان داری سے ادا کرتا ہے، اور ایک پیسے کا ہیر پھیر بھی گوارا نہیں کرتا۔

۲— محکمہ خوراک فلور ملوں کو گندم سپلائی کرتا ہے۔ کیا محکمہ کا کوئی ملازم فلور مل سے اپنی ذاتی ضروریات کے لیے مفت آٹا لے سکتا ہے؟

— جبکہ فلور مل کے مالک کی رضامندی اس میں شامل ہو۔

— جبکہ محکمے کے ملازمین اس کے بدلے میں غیر قانونی تعاون فراہم نہ کرتے ہوں۔

۳— "اضطراری حالت" کی تعریف کیا ہے؟ درج بالا تفاصیل کی روشنی میں اگر ہماری

حالت واقعی اضطراری حالت ہے۔ تو کیا ہم اس حالت میں متذکرہ نفع سے اپنے نقصانات پورے کر سکتے ہیں؟

کیا یہ حالت اُس وقت تک برقرار رہ سکتی ہے جب تک گورنمنٹ ہماری تنخواہیں معقول سطح پر نہ لے آئے جبکہ موجودہ تنخواہ میں گذر اوقات مشکل بھی ہے اور ناممکن بھی۔

نوٹ:۔ ایک عالمِ دین کا فتویٰ ہے کہ جرائم کا سدِ باب حکومت کا فرض ہے۔ کسی بھی جرم کے اسباب کو ختم کرنے سے پہلے مجرم کو سزا دینا قطعاً جائز نہیں ہے۔ آپ کا اس سلسلے میں کیا خیال ہے؟

جواب:۔ گرامی نامہ ملا۔ یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی ہے کہ آپ رزقِ حلال کے متلاشی ہیں۔ اللہ کرے کہ یہ جذبہ باقی رہے اور اس راہ میں رکاوٹیں دور ہوں اور آسانیاں میسر آئیں۔ آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ جو منافع ملازمت سے حقوقِ ملازمت یا قانونِ ملازمت کے مطابق نہ ملے، ناجائز مال کی تعریف میں آتا ہے۔ اس لیے اس سے اپنا دامن بچانا ضروری ہے۔ جو ناجر ملازمین کو باردانہ کے عوض میں منافع تقسیم کرتے ہیں اس کی حیثیت رشوت کی ہے۔ اگر اس رشوت کے بغیر ملازمت آپ کے گذر اوقات کے لیے کافی نہیں ہے تو کوئی دوسری قابلِ گذارہ ملازمت تلاش کر کے اسے چھوڑ دیں۔

۲۔ محکمہ خوراک کا کوئی ملازم فلور ملوں سے اپنی ذاتی ضروریات کے لیے مفت آٹا وصول کرے تو وہ بھی رشوت کی تعریف میں آئے گا۔

۳۔ محکمہ کے دو معاملے ایسے ہیں جو ظلم کی تعریف میں آتے ہیں، مگر محض ان کی وجہ سے حالتِ اضطرار پیدا نہیں ہوتی۔ پہلا ظلم یہ ہے کہ باردانہ کے تھیلوں کا نقصان وہ بے گناہ ملازمین پر ڈالتا ہے اور دوسرا یہ کہ افسروں کے دوروں وغیرہ کے اخراجات ماتحتوں سے وصول لیے جاتے ہیں۔ اس دوگونہ ظلم کے تدارک کی مساعی مختلف اطراف سے ہونی چاہیے۔ مگر مسئلہ اضطرار الگ ہے۔

اضطراری حالت کا معنی یہ ہے کہ ایک شخص کے لیے رزقِ حلال کے دروازے بند ہو جائیں، کوئی ایسی ملازمت نہ ملتی ہو جس کے ذریعے حلال روزی حاصل کی جا سکے اور اپنی اور اپنے اہل و عیال

کے نان و نفقہ کے لیے حلال مال میسر نہ ہو سکتا ہو، اس تعریف کی رُو سے آپ ابھی حالتِ اضطرار میں نہیں ہیں کیونکہ ایسی ملازمت مِل سکتی ہے جس میں خود آپ کو حرام کا ارتکاب نہ کرنا پڑتا ہو اور اس کے عوض میں آپ کو اتنی تنخواہ مل سکتی ہے کہ آپ کا گزر اوقات ہو سکے۔

۴- جرم کے اسباب کا انسداد بھی ضروری ہے اور مجرم کو اس کے جرم کی سزا دینا بھی ضروری ہے۔ اگر ایک حکومت مجرم کو سزا دیتی ہے لیکن اسبابِ جرم کا انسداد نہیں کرتی تو اس کی طرف سے مجرم کے سزا دینے کے عمل کو درست قرار دیں گے لیکن اسباب جرم کے انسداد نہ کرنے کو ظلم سے تعبیر کریں گے۔ جس طرح مجرم نے جرم کر کے اپنے اُوپر ظلم کیا ہے۔ اسی طرح حکومت نے بھی انسدادِ جرم نہ کر کے اُس پر ظلم کیا ہے۔

مطبوعات

زوالِ حیدر آباد کی اَن کہی داستان از نواب مشتاق احمد خاں صاحب - ناشر: خود مصنف - پتہ: فخر منزل ۱۰۸ ڈی - ماڈل ٹاؤن ، لاہور - ملنے کا پتہ: ایس اے علیم اینڈ سنز ، ۱۴ ہسپتال روڈ ، لاہور - قیمت: -/۷۵ روپے -

یہ کتاب تاریخ بھی ہے ، ادب بھی ہے اور نوحہ بھی - یہ ہماری اپنی تاریخ کا ایک ورق ہے - یہ ہمارے ایک فاضل و محترم دوست کے سفر نامۂ زندگی کا ایک حصہ ہے جو چٹانوں اور کانٹوں کی وادی سے ہنستا مسکراتا گذرا - یہ حیدر آباد دکن کی مسلم ریاست کے ٹوٹنے ہی کا نہیں ، مسلمان اکابر کے اخلاق کی پستیوں کا بھی نوحہ ہے -

ریاست حیدر آباد کے وجود کی نزاکت کا سوال اُس وقت سے نمایاں ہونے لگا جب کہ برِ صغیر میں آزادی کی تحریک نے زور پکڑا - ایک ایسی مسلم ریاست جس میں مسلمانوں کی آبادی ۱۵ فیصد ہو اور جس میں کسی منظم تبلیغی کوشش کا بھی انتظام نہ ہو سکا ہو[1] منزل آزادی جب سامنے آ گئی اور یہ واضح ہو گیا کہ مسلم آزار ہندو اکثریت کے دباؤ سے تقسیم برِ صغیر میں مسلمانوں کے ساتھ نا انصافی برتی گئی ہے اور مسلم اکثریت کی ریاست کشمیر جو پاکستان سے متصل بھی تھی ، اُس پر قبضہ کر لیا گیا ہے تو قدرتی طور پر ریاست حیدر آباد کا وجود بھی خطرے میں محسوس ہونے لگا - اس موقع پر آئندہ کے لیے جو نقشۂ تدبیر سوچا گیا ، اس کے تحت نواب مشتاق احمد خاں صاحب کو پاکستان میں بطور ایجنٹ جنرل حیدر آباد

[1] اس سلسلے میں وہ تبلیغی اسکیم بڑی اہم ہے جو نواب سالار جنگ کی خواہش پر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے تیار کر کے دی - ملاحظہ ہو ا وثائق مودودیؒ - ص ۱۵ تا ۴۵ -

منتقل کیا گیا۔ نہ اپنے ساتھ مصارف کے لیے کچھ رقم بھی لائے تھے، جو سرکاری خزانے میں امانت کے طور پر داخل کی گئی تھی، لیکن بعد میں اسی امانت سے نواب مشتاق احمد خان صاحب کا رشتہ یہاں کے کارپردازوں نے کاٹ دیا۔ اور یہ لحاظ بھی نہ کیا کہ یہ اُس ریاست کا نمائندہ ہے جو بتیس کروڑ روپیہ حکومت پاکستان کی نذر کر چکی تھی۔ اِن حالات کے باوجود نواب صاحب نے "جلتی آگ" کے زمانے میں فرضی نام سے حیدر آباد کا سفر پاکستان کی بھلائی کے لیے کیا۔ مگر ہوا یہ جو کچھ ان کو یہاں پیش آیا، سخت عبرت ناک بلکہ شرم ناک ہے۔ پھر وہ صدمۂ عظیم کہ حیدر آباد کو ہندوستان نے شکار کر لیا۔ مزید حسرت ناکام یہ کہ اس سلسلے میں بیرونِ حیدر آباد سے جو کام ہونا تھا، وہ نہ ہو سکا۔

یہ کتاب ایک ایسا افسانۂ حقیقت ہے جس کا مرکزی کردار طرح طرح کی مشکلات اور ذہنی اُلجھنوں سے گذرتا ہے۔ مگر اپنے ایمان، اپنے جذبۂ صادق، اپنے عزائم، اپنے صبر، اپنے اخلاق اور اپنی جرأتِ حق گوئی کو برقرار رکھتا ہے۔ اس کتاب کے قاری اگر یہی سبق اس سے اخذ کر لیں تو گراں قدر حاصل ہے۔ نواب صاحب کی اس نگارش میں ہماری تہذیبی اور اخلاقی روایات جھلملاتی ہیں۔

WITNESSES UNTO MANKIND

مؤلف: مولینا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ۔ مترجم، خرم مراد۔ ناشر: دی اسلامک فاؤنڈیشن، ۲۲۳ لندن روڈ، لائسسٹر (LE2 1ZE) انگلینڈ، کاغذ، ٹائپ سرورق مغربی معیارات کے مطابق۔ قیمت درج نہیں۔

مولینا مودودیؒ کے ذخیرۂ تحریر و تقریر میں خواص و عوام سب کے لیے بڑی اہمیت رکھنے والی چیزوں میں سے ایک "شہادتِ حق" ہے جو پہلے ایک خطابہ کی صورت میں وجود میں آئی۔ پھر ایک پمفلٹ کی صورت میں کئی بار شائع ہوئی۔

اسلام میں دین کی طرف سے آدمی پر دوہری ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ ایک اپنے متعلق،

دوسری تمام دوسرے لوگوں کے متعلق - پہلی ذمہ داری کا تقاضا ہے کہ خدا پر، اس کی ہدایت پر، اس کے رسولؐ (اور رسولوں) اور آخرت پر ایمان لانا، ایمان کے مطابق اپنی زندگی سنوارنا، عبادت کرنا اور ان احکامِ حق کی اطاعت کرنا ہے جن کا تعلق فرد سے ہے۔ دوسری ذمہ داری پہلی کے تحت ہی یہ ہے کہ دینِ حق و صداقت کی گواہی دوسروں کے سامنے دی جائے — زبان سے، قلم سے، عمل سے، اخلاق سے، رہن سہن اور معاملات سے - اور یہ گواہی افراد اور جماعتوں، نسلوں اور فرقوں، اداروں اور حکومتوں، مدرسوں اور اسمبلیوں سب تک پہنچائی جائے - اسی کا دوسرا نام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی ہے۔ لیکن مولانا نے اس فریضۂ شہادتِ حق کو جس مؤثر انداز اور اسلوب سے پیش کیا ہے اس کی مدد سے اس کا فہم بھی آسان ہو جاتا ہے اور آدمی میں اس فرض کو ادا کرنے کا جذبہ بھی ابھرتا ہے۔

یہ کمال اسلامک فاؤنڈیشن (انگلینڈ) کے سابق ڈائرکٹر جناب خرم جاہ مراد کا ہے کہ انہوں نے اردو کی اس تقریر یا مقالے کے لیے انگریزی کا جامہ ایسی خوبصورتی سے تراشا ہے کہ پڑھتے ہوئے نہ تو ترجمہ پن کی اڑچن محسوس ہوتی ہے اور نہ "پاکستانی انگریزی" کے ناز نخرے سامنے آتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ادھر ہی کے کسی مسلمان نے اپنی انگریزی دان آبادی سے خطاب کیا ہے۔

THE ISLAMIC WAY OF LIFE

مؤلف: مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ - ترجمہ و ترتیب: پروفیسر خورشید احمد و خرم مراد
ناشر: دی اسلامک فاؤنڈیشن ۲۲۳ لنڈن روڈ، لائسسٹر (LE2 1ZE) انگلینڈ - قیمت درج نہیں۔

یہ انگریزی ترجمہ ہے مولانا مودودیؒ کی ان نشری تقریروں کا جن کا مجموعہ اردو میں اسلام کا نظامِ حیات کے نام سے شائع ہوا ہے - ان تقریروں کا ایک انگریزی ترجمہ ۱۹۵۰ء میں چھپا - پھر اس سے بہتر معیار ترجمہ کے ساتھ ادارۂ معارفِ اسلامی کراچی نے ۱۹۷۷ء میں انگریزی ایڈیشن پیش کیا - اب یہ ترجمہ برادرم خرم جاہ مراد (سابق ڈائرکٹر اسلامک فاؤنڈیشن برطانیہ) کے ذوق اور پروفیسر خورشید صاحب کی اضافی محنت سے خوبصورت پیرائے میں شائع ہوا ہے۔

ایسی کتابوں کو یہاں کی تعلیم گاہوں، خصوصاً انگریزی ذریعۂ تعلیم والے تعلیمی اداروں کی لائبریریوں اور انگریزی پسند گھرانوں کے نوجوانوں کے ہاتھوں میں پہنچنا چاہیے۔

وحدتِ انسانیت | از جناب عنایت اللہ طور صاحب۔ ریٹائرڈ وارنٹ آفیسر پاک فضائیہ۔
ملنے کا پتہ: ارشد گلاس سٹور، نزد شاہ دولہ گیٹ۔ سرکلر روڈ گجرات۔

مؤلف نے دین کو ذریعۂ وحدتِ انسانیت کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ دین، بیعت، آزادی و مساوات، خلافت اور دوسرے ضمنی موضوعات پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ صرف ایک مقام پر کھٹک ہوئی۔ لکھتے ہیں: "اللہ تعالیٰ زمین پر اپنی نمائندہ حکومت کو بیعت کے ذریعے یہ حق استعمال کرنے کا مجاز بنا دیتا ہے اور تمام انفرادی املاک پر اس کی بالادستی قائم کر دیتا ہے" (تاکہ وہ اجتماعی بہبود کے لیے اقدام کر سکے) دینی مآخذ یہ بتاتے ہیں کہ نصوص کو کوئی بھی خلیفۃ اللہ یا نائب توڑ نہیں سکتا۔ اور نصوص کے تحت جو مزید تحدیدیں ہوتی ہیں ان سے آگے بڑھنے کے لیے کچھ لازمی شرائط اور تقاضے ہوتے ہیں۔ کسی بھی شخص کو دینِ حق نے کامل الاختیار نہیں بنایا۔ مجھے امید ہے کہ یہ عبارت انہوں نے روا داری میں لکھ دی ہے۔ نیت درست ہی ہو گی۔

تفہیم القرآن علماء کی نظر میں | از ابن عبدالشکور بنگلور۔ ناشر: ماہنامہ الحجاب، رامپور یو پی۔
ملنے کا پتہ: اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، شاہ عالم مارکیٹ، لاہور۔ قیمت معلوم نہیں۔

اس پمفلٹ میں بہت سے علماء اور دانشوروں کی آراء تفہیم القرآن کے متعلق جمع کی گئی ہیں۔

مولانا مودودی اور تفہیم القرآن | آراء اور تبصروں کا مجموعہ۔ مرتبہ: ڈاکٹر محمود عمر شیخ۔
ناشر: مولانا مودودی میموریل سنٹر، دہلی۔

بڑے سائز پر چھپی ہوئی اس مختصر کتاب میں تفہیم القرآن اور صاحبِ تفہیم القرآن کے متعلق آراء و تاثرات کو جمع کیا گیا ہے۔

SOVIET MUSLIMS BRIEF | دو ماہی رسالہ۔ جاری کردہ۔ دی اسلامک فاؤنڈیشن ۲۲۳ لنڈن روڈ لائسٹر LE2 1ZE U.K. یو۔ کے۔

بہت مختصر سا یہ رسالہ سوویت علاقوں کے محکوم مسلمانوں کے تازہ ترین احوال و اخبار پیش کرتا ہے۔

چندہ سالانہ مع صرفہ ہوائی ڈاک، انفرادی ۴ پونڈ، ادارات کے لیے ۸ پونڈ۔

ہمقدم — رفتار کار نمبر | ماہنامہ مجلہ مرتبہ ریاض محمود و معاونین - پتہ: ۱- اے، ذیلدار پارک اچھرہ، لاہور - چندہ سالانہ ۵۰/- روپے - قیمت فی شمارہ ۴/- روپے

یہ مجلہ پاکستان کے نظامِ حیات اور خصوصاً نظامِ تعلیم میں سچا انقلاب لانے کے نقیب طلبہ کا رسالہ ہے۔ بڑی محنت و مہارت سے اس کا رفتارِ کار نمبر مرتب کیا گیا ہے۔ ہماری سفارش ہے کہ نوجوان بغیر کسی تعصب کے اسے پڑھیں۔

المصباح — نفاذ شریعت نمبر | ماہنامہ مجلہ طلبائے مدارس عربیہ - مرتب: محمد یونس صدیقی - قیمت فی پرچہ ۴/- روپے - سالانہ چندہ ۲۰/- روپے

طلبائے مدارسِ عربیہ کے لیے اُردو کی تعلیم اور ادبی ترتیب کا انتظام درس گاہوں میں عموماً کم ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے المصباح کا وجود ہمارے لیے حیران کن اور امید افزا ہے۔ یہ مجلہ نوجوانوں کے لیے ذریعہ تربیت بھی ہے۔ تازہ شمارہ نفاذِ شریعت کے موضوع پر ہے۔ یعنی اس کی اہمیت اور اس کی مزاحمتوں کا دلائل سے تذکرہ ہے۔

میں ایک مسلمان لڑکی ہوں | از شہناز بنتِ اسلام - ناشر: مکتبۃ السفیر - ۱/۷ قذافی مارکیٹ - اُردو بازار - لاہور - قیمت ۱/۲۵

ایک لڑکی کی زبان سے آپ اُلجھنوں کے اِس دَور میں اسلامی رویّے کی باتیں سُنیں اور اس کے جذبات و احساسات کو نمونہ بنائیں۔

پردہ عصرِ حاضر میں | از محمد بن رمضان - ناشر: المکتبۃ السفیر - اُردو بازار لاہور - قیمت: ۶/۷۵

اِس کتابچے میں مسلم اور غیر مُسلم، پاکستان اور دیگر ممالک کے مردوں اور خواتین کی جانب سے آپ اسلامی پردے کے بارے میں نہایت سبق آموز تعلیمات اور روداد اور واقعات کا مطالعہ کریں گے - یہ گویا کئی دماغوں کی کاوشوں اور کئی دلوں کے جذبات کا مجموعہ ہے۔

والدین کے حقوق از محمد اکرام قریشی ۔ ناشر: احیائے دین لائبریری مسجد ضلع کچہری، سیالکوٹ قیمت درج نہیں۔

یٰایھا الناس خطبات مبارکہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مجموعہ ۔ تالیف: میاں گلزار احمد عزیز ۔ ناشر: شارکیس لیبارٹریز لمیٹڈ ۔ صادق آباد ۔

بے نظیر اور ان کے حواریوں کے نام کھلا خط ۔ از جناب محمد اکرم جوئیہ بی اے۔ایل ایل بی۔ نصیر والہ ۔ ضلع میانوالی ۔

ہمیں تھانہ سیاست سے بچائیں قومی راہنماؤں کے نام ایک کھلا خط۔ از جناب محمد اکرم جوئیہ۔ بی اے ایل ایل بی ۔ نصیر والہ ضلع میانوالی ۔

فرقانی قاعدہ از جناب قاری محمد اسمٰعیل ربانی ۔ ناشر: الحرکۃ الاصلاحیہ ۔ شارع عمر ۔ سول لائینز ، فیصل آباد (قیمت نامعلوم)

تعلیم القرآن کے لیے بچوں کو یہ قاعدہ بخوبی تیار کرنے والا ہے ۔ مؤلف نے اس کا لحاظ رکھا ہے کہ حروف اور حرکات و اصوات کی تعلیم مناسب تدریج کے ساتھ ہو ۔ کتابت و طباعت کے صاف اور اعراب کے متعلقہ حروف پر صحیح مقام پر ہونے کی وجہ سے یہ قاعدہ مفید ہے ۔

رہنمائے فرقانی قاعدہ (برائے اساتذہ کرام) از جناب قاری محمد اسمٰعیل ربانی ۔ ناشر: الحرکۃ الاصلاحیہ ۔ شارع عمر ۔ سول لائینز ۔ فیصل آباد ۔

یہ رسالہ متذکرہ بالا فرقانی قاعدے کو پڑھانے والے اساتذہ کے لیے نہایت مناسب گائیڈ ہے ۔

اکتوبر ۱۹۸۹ء

رجسٹرڈ ایل نمبر ۵۳۴۰

مکتوباتِ یورپ

— از —

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

- کتاب : جس کا آپ کو عرصے سے انتظار تھا
- کتاب : جو رسائل کے دامن میں بکھر کر کھو گئی تھی
- کتاب : جو معانی کا سمندر اور دعوتِ اسلامی کا قلزم اپنے دامن میں رکھتی ہے
- کتاب : جو اسلام کی دعوت لے کر یورپ کی بستی بستی میں جانے کا جذبہ اور داعیہ پیدا کرتی ہے
- کتاب : جو آپ کے بے شمار سوالات کے تسلی بخش جواب دیتی ہے
- کتاب : جو ملحدانہ ماحول اور مادہ پرستانہ فضا میں توحید کی آواز بلند کرتی اور روحانیت کی شمع روشن کرتی ہے
- کتاب : جو دورِ حاضر میں اسلامی انقلاب کی بانگِ درا ہے
- کتاب : جس کے بغیر مولانا مودودیؒ کا لٹریچر آپ کے پاس نامکمل ہے

ضخامت : ۲۵۶ صفحات ○ سائز : ۳۰ × ۲۰ / ۱۶

قیمت : ۱۸/- روپے

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ

اُردو بازار ○ لاہور